U116124 24-12-9.

Title - MAWAZINA-E-ANEES-O-DABEER YAANI MEER ANEES KI SHAYARI PAR TAPSEELI RAIWAW AUR MEER ANEES-O-MIRZA DABEER KA MAWAZINA

Creator - Shibli Nemani

Publisher - Matba Mufeed Aam (Agra).

Date - 1907.

Pages - 285

Subjects - Urdu Marasi - Tanqeed.

سلسلۂ آصفیہ

موازنۂ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ

مولفہ

شبلی نعمانی

الناظر پریس واقع لکھنؤ میں

باہتمام اسحٰق علی علوی طبع ہوا

سنہ ۱۹۲۴ ع

سلسلۂ آصفیہ

موازنۂ انیس و دبیر

یعنی

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو، اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ

مؤلفہ

شبلی نعمانی

النّاظر پریس واقع لکھنؤ میں

باہتمام اسحق علی علوی طبع ہوا

سنہ ۱۹۲۴ء

فہرست مضامین

	تا دل و دیدۂ خون نابہ فشانم دادند		شمعہا پردہ ام از صدق بہ خاک شہدا	

فلسفہ اور شاعری برابر درجہ کی چیزین ہین، لیکن قوم کی بدمذاقی سے جس قسم کی شاعری نے ملک مین قبول عام حاصل کرلیا ہے، اس نے لوگون کو یقین دلا دیا ہے کہ اردو شاعری مین زلف وخال وخط، یا جھوٹی خوشامد اور مداحی کے سوا اور کچھ نہین ہے، میر تقی کی غزلیت، درد کا تصوف، غالب کا فلسفہ، شاعری کی جان ہین، لیکن ان بیش بہا خزانون مین سے بھی، عام لوگون کی نگاہ صرف خزف ریزون پر پڑتی ہے، میر انیس کا کلام، شاعری کے تمام اصناف کا بہتر سے بہتر نمونہ ہے، لیکن اُن کی قدردانی کا طغرائے امتیاز صرف اسقدر ہے کہ "کلام فصیح ہوتا ہے" اور "بین اچھا لکھتے ہین"، بدمذاقی کی نوبت یہانتک پہونچی کہ "وہ" اور مرزا دبیر حریف مقابل قرار دیے گئے، اور مدتہاے دراز کی غور وفکر، کدوکاوش بحث وتکرار کے بعد بھی فیصلہ نہ ہوسکا کہ ترجیح کا مسند نشین کسکو کیا جائے۔

اس بنا پر مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تقریظ و تنقید لکھی جائے جس سے اندازہ ہو سکے کہ اُردو شاعری، باوجود کم مایگی زبان کیا پایہ رکھتی ہے، اس غرض کے لئے میر انیس سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لئے موزون نہین ہو سکتا تھا، کیونکہ اُن کے کلام مین شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہین، اور کسی کے کلام مین نہین پائے جاتے، شکر ہے کہ آج اُس ارادہ کے پورے ہونے کی نوبت آئی، اور یہ کتاب ناظرین کی خدمت مین پیشکش ہے، اس کتاب مین میر انیس کا موازنہ بھی مرزا دبیر سے کیا گیا ہے اور اس مناسبت سے اس کا نام **موازنہ** ہے۔

شاعری کیا چیز ہے ؟ یہ ایک نہایت مفصل اور دقیق بحث ہے۔ ارسطو نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین ابن رشد نے کیا اور اسکا بڑا حصہ چھپکر شایع بھی ہو چکا ہے۔ ابن رشیق قیروانی اور ابن خلدون نے بھی اس پر بحث کی ہے انگریزی زبان مین نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابین، اس مسئلہ پر لکھی گئی ہین جن مین سے بعض میری نظر سے بھی گزری ہین، گو مین اُن سے اچھی طرح مستفید نہین ہو سکا، شعر العجم مین مین اس مضمون کو انشاء اللہ نہایت تفصیل سے لکھونگا، یہان صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ شاعری کے دو جزء ہین مادّہ و صورت یعنی کیا کہنا چاہیے اور کیونکر کہنا چاہیے ؟ انسان کے دل مین کسی چیز کے دیکھنے سننے۔ یا کسی حالت، یا واقعہ کے پیش آنے سے، جوش و مسرت عشق و محبت، درد و رنج، فخر و ناز، حیرت و استعجاب، طیش و غضب وغیرہ وغیرہ کی جو حالت پیدا ہوتی ہے اسکو جذبات سے تعبیر کرتے ہین، ان جذبات کا ادا کرنا شاعری کا اصلی ہیولیٰ ہے، ان کے سوا عالم قدرت کے مناظر مثلاً گرمی و سردی صبح و شام بہار و خزان باغ و بہار دشت و صحرا، کوہ و بیابان، کی تصویر کھینچنا، یا عام واقعات اور حالات کا بیان کرنا بھی اسی مین داخل ہے۔

لیکن یہ شرط ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس انداز سے کہا جائے کہ جو اثر شاعر کے دل مین ہے وہی سننے والون پر بھی چھا جائے، یہ شاعری کا دوسرا جزو یعنی اسکی صورت ہے، اور انہی دونون جزون کے مجموعہ کا نام شاعری ہے۔ باقی خیال بندی، مضمون آفرینی دقت پسندی، مبالغہ، صنائع و بدائع، شاعری کی حقیقت مین داخل نہین، اگرچہ بعض جگہ یہ چیزین نقش و نگار اور زیب و زینت کا کام دیتی ہین ۔

میر انیس کی شاعری کو اسی معیار سے جانچنا چاہیئے جس کا مختصر بیان ہوا، جس شخص کو یہ معیار تسلیم نہ ہو، اسکے سامنے میر انیس کی نسبت کمال شاعری کا دعویٰ نہین کیا جا سکتا

میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کے کلام مین جن لوگون کا ذکر اکثر آتا ہے، اور جو مرثیہ کے ہیرو ہین، اُن کا نام اور اُن کی خصوصیات ذیل مین اس غرض سے لکھی جاتی ہین کہ واقعہ اور روایت کے سمجھنے مین مدد ملے، اور محاسن شعری اور اسالیب بلاغت کے نکات سمجھ مین آئین ۔

حضرت عباسؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی ہین اور گو حقیقی بھائی نہین لیکن حقیقی بھائیوں سے زیادہ مخلص اور جان نثار ہین، اس خصوصیت کو ہر جگہ دکھایا ہے، اس کے ساتھ ان کی شجاعت و بہادری اور جوانانہ جوش کو ہر موقع پر نمایان کیا ہے ۔

حضرت زینبؑ — حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن، جو سب سے زیادہ امام علیہ السلام سے محبت رکھتی تھین، ان کے دو صاحبزادے تھے، عونؑ و محمدؑ، دونون کو انھون نے امام پر نثار کر دیا۔

عونؑ و محمدؑ — حضرت زینبؑ کے صاحبزادے،

حضرت صغریٰ — امام حسین علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی، جن کو امام علیہ السلام

مدینہ مین چھوڑ آئے، ان کی جدائی اور رخصت کو تمام مرثیہ گویون نے بڑے درد اور اثر کے ساتھ لکھا ہے۔

حضرت سکینہؑ امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی جو قیدخانہ کی تکلیفون سے انتقال کر گئین (حسب خیال مرثیہ گویان اُردو)

حضرت علی اکبر امام علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے، ان کو حضرت زینبؑ نے پالا تھا، اور اپنے بیٹون سے زیادہ ان کو عزیز رکھتی تھین، اس بنا پر وہ حضرت زینبؑ ہی کو اپنا مالک و مختار سمجھتے تھے، اور مان سے زیادہ اُن کا ادب کرتے تھے۔

علی اصغرؑ امام علیہ السلام کے شش ماہہ صاحبزادے جنکو دشمنون نے امام علیہ السلام کی گود مین شہید کیا۔

حضرت سجادؑ امام زین العابدین، جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے اور دشمن ان کو بیڑیان پہنا کر شام تک پیادہ پا لے گئے تھے۔

حضرت شہربانوؑ امام علیہ السلام کی حرم محترم جو نوشیروان کی پوتی تھین،

حُر یزید کے رسالہ کا سپہ سالار تھا، لیکن خدا نے ہدایت کی، اور امام علیہ السلام کی فوج مین آکر شامل ہو گیا۔

مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

عرب مین جو فارسی اور اُردو شاعری کا سرچشمہ ہے، شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، اور یہی ہونا چاہیئے تھا، عرب مین شاعری کی ابتدا بالکل فطرت کے اصول پر ہوئی یعنی جو جذبات دلون مین پیدا ہوتے تھے، وہی اشعار مین ادا کردئے جاتے تھے۔ جذبات مین، درد و غم کا جذبہ اور جذبات سے قوی تر ہے، اور جس جوش سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور جذبات ظاہر نہین ہو سکتے، فرض کرو ایک شخص کے گھر مین بہت تمناؤن کے بعد بیٹا پیدا ہوا، تو اُس کو گو بہت کچھ خوشی ہوگی، لیکن وہ اس خوشی کو کسی مجمع عام مین اشعار یا خطبہ کے ذریعہ سے ظاہر نہین کریگا، اور کرے بھی تو کلام مین کوئی غیر معمولی تاثیر نہوگی، لیکن اگر یہی لڑکا مرجائے تو اسکی کیا حالت ہوگی؟ وہ سراپا جوش بن جائے گا، اُسکی آہ و زاری لوگون کو تڑپا دیگی، اور اگر وہ شاعر ہے، تو اُسکے مرثیے دلون پر نشتر کا کام دینگے۔

بہرحال عرب مین چونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی، اس لئے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی، جو سب سے قوی تر جذبہ کا اثر ہے،

قصائد پر مرثیہ کا اثر

مرثیے عین اُس حالت مین کہے جاتے تھے، جبکہ شاعر کا دل درد و غم سے لبریز ہوتا تھا، اس کا شاعری پر ایک خاص اثر یہ ہوا کہ قصائد کی ابتدا جو عام طور، تشبیب اور غزل سے کی جاتی تھی، مرثیہ کے قصائد مین یہ طرز متروک ہوگیا، کیونکہ رنج و غم کی حالت مین عشق و محبت کے خیالات کا کیا موقع تھا۔ عرب مین اسکی مخالف، صرف

ایک مثال موجود ہے، یعنی وریدبن الصمہ ایک شاعر نے اپنے بھائی کا مرثیہ جو لکھا اسکی ابتدا غزل سے کی تھی، جس کا مطلع یہ تھا۔

اَرثَّ جدید الحبل من ام معبد	بعاقبۃٍ او اخلفت کل موعد

لیکن اسکی وجہ ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین یہ لکھی ہے کہ یہ مرثیہ واقعہ کے پورے ایک برس بعد لکھا گیا تھا۔

اگرچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین مرثیہ گوئی کو بہت ترقی ہوچکی تھی، اور بہت سے شعرا نے بڑے بڑے پُراثر مرثیے لکھے تھے لیکن دو شخص اس زمانہ مین بہت نامور ہوئے، خنسا، اور متمم بن نویرہ۔ خنسا، ایک عورت تھی، جس کو اپنے بھائی صخر سے بے انتہا محبت تھی، صخر ایک لڑائی مین مارا گیا، خنسا پر اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اس کے حواس جاتے رہے، اس نے صخر کی پھٹی پُرانی جوتیون کا ہار بنا کر گلے مین ڈالا اور دیوانہ وار پھرنے لگی اسی حالت مین صخر کے مرثیے کہنے شروع کیے، اِن مرثیون کو پڑھتی تھی، اور نوحہ کرتی تھی، ایک دفعہ اسی حالت مین حج کو گئی، یہ حضرت عمر فاروق کا زمانہ تھا، وہ حرم کا طواف کرتی، اور سینہ پر دوہتڑ مارتی جاتی تھی، حضرت عمر نے دیکھا تو ڈانٹا، اس نے اپنی داستان بیان کی، حضرت عمر نے کہا ہان! لیکن ماتم کے اس طریقے کو اسلام نے مٹا دیا، وہ اور بیتاب ہوگئی، اور اُس وقت بے اختیار اُس کی زبان سے چند شعر نکلے جن کا مطلع یہ ہے۔

ھریقی من دموعک واستفیقی	وصبرًا ان اطقت ولم تطیقی

(اپنے نفس سے مخاطب ہوکر)

آنسو بہا اور اس سے تسلی حاصل کر، اور صبر کر اگر تجھ سے کیا جائے، لیکن تو کر نہین سکیگی۔

متمم بن نویرہ بھی اسی زمانہ مین تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کا شیفتہ اور عاشق تھا، ایک لڑائی مین خالد بن الولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا، اس پر متمم کی یہ حالت ہوئی کہ گھربار چھوڑکر نکلا، اور قبائل عرب مین پھرنا شروع کیا، جہان پہونچتا تھا تمام زن و مرد

اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے، وہ درد انگیز لہجہ مین مرثیہ پڑھتا، اور ہر طرف سے گریہ
وزاری کی آواز بلند ہوتی،، اس کی یہ حالت دیکھ کر لوگون نے سمجھایا، کہ تم جلد ہلاک ہو جاؤ گے
اور تمھارے خاندان کی کوئی یادگار باقی نہ رہے گی، اس لئے تم شادی کر لو کہ اولاد کے ذریعہ
سے خاندان کا نام رہ جائے،، لوگون کے اصرار سے مجبور ہو کر اُسنے شادی کی لیکن بیوی
کی طرف التفات نہ کر سکا، آخر طلاق دینی پڑی، اسی حالت مین حضرت عمر کے پاس آیا،
وہ اُس وقت مسجد نبوی مین تشریف رکھتے تھے، متمم نے مرثیہ کے اشعار پڑھنے شروع کئے،
حضرت عمر اگرچہ نہایت مضبوط دل کے آدمی تھے، لیکن ضبط نہ کر سکے،، بے اختیار
آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، متمم مرثیہ پڑھ چکا تو حضرت عمر نے کہا الی ما بلغ بک الحال
یعنی تیرے غم کی حالت کس حد تک پہونچی ہے ؟ اُس نے کہا امیر المومنین بچپن مین
مجھکو ایک عارضہ ہو گیا تھا جسکی وجہ سے میری بائین آنکھ کی رطوبت جاتی رہی تھی، مین
ی روتا تھا تو اُس آنکھ سے آنسو نہین نکلتے تھے، بھائی کے مرنے کے بعد جو اس آنکھ
ے آنسو جاری ہوئے تو اب تک نہیں تھمے۔

حضرت عمر نے اس سے فرمائش کی کہ اُن کے بھائی زید کا مرثیہ لکھے، اُس نے
ئش پوری کی، لیکن جب دوسرے دن جا کر حضرت عمر کو سنایا، تو حضرت عمر نے کہا،
کہ اُس مین تو وہ درد نہین ہے، اُس نے کہا، امیر المومنین! زید آپ کے بھائی تھے میرے
بھائی نہ تھے،

اس زمانہ تک مرثیہ صرف وہ لوگ کہتے تھے جن پر کوئی غیر معمولی حالت طاری ہوتی
تھی، اس کے بعد جب شاعری اصلی حالت سے بدل کر کسب معاش کا ذریعہ بنی تو مرثیہ گوئی
کو خود بخود زوال ہوا کیونکہ مدحیہ قصائد کی طرح اس سے کچھ صلہ نہین مل سکتا تھا، تاہم چونکہ
عرب مین ابھی تک قدیم اوصاف کچھ کچھ باقی تھے اس لئے بعض مرثیے اس زمانہ کے
بھی ایسے ملتے ہین جن مین اثر اور جوش پایا جاتا ہے۔

اِسی زمانہ مین کربلا کا قیامت انگیز واقعہ پیش آیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ اگر عرب کے اصلی جذبات موجود ہوتے تو اس زور کے مرثیے لکھے جاتے کہ تمام دنیا مین آگ لگ جاتی لیکن اِدھر تو عرب کے پرزور جذبات مین انحطاط آچکا تھا، ادھر بنو اُمیّہ کی ظالمانہ سطوت اور جباری نے تمام شعرا کی زبانین بند کردی تھین؛ فرزوق بنو امیہ کے پایۂ تخت کا شاعر تھا، لیکن جب اس نے ایک موقع پر فوری جوش سے حضرت امام زین العابدینؑ کی مدح مین فی البدیہ چند شعر کہے تو عبدالملک بن مروان نے اسکو جیل خانہ بھیجدیا؛

بنو امیہ کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا، اِس عہد مین شاعری کو بہت ترقی ہوئی لیکن اُنہی اصناف کو ترقی ہوئی جن کو صلہ اور انعام سے تعلق تھا، اس لئے مرثیہ گوئی اب بھی اُسی حالت مین رہی۔

البتہ معن اور جعفر برمکی کی فیاضیوں نے ایک عالم کو ممنون احسان بنا رکھا تھا، اِس لئے اُن کے مرنے پر جو مرثیے لکھے گئے، اُن مین سے اکثر پر اثر اور درد انگیز ہیں[1]

فارسی شاعری کی بُنیاد تکلّف، آورد، اور مداحی پر قائم ہوئی تھی، اس لئے شاعری کے وہ انواع جنکو جذبات سے لازمی تعلق تھا دفعۃً پستی کی حالت میں آگئے، تاہم چونکہ آغاز مین ہر چیز مین فطرت کا اثر پایا جاتا ہے، اِس لئے فردوسی اور فرخی و فرمایم کی شاعری مین جا بجا جذبات کا اظہار بہت خوبی کے ساتھ نظر آتا ہے؛

فردوسی نے سُہراب کا مرثیہ جو اُسکی مان کی زبان سے لکھا ہے، اُس کے اشعار سے اِس کا اندازہ ہو سکے گا۔

بمادر خبر شد کہ سُہراب گرد	زتیغ پدر خستہ گشت و بمُرد
خروشید و جوشید و جامہ درید	بزاری، بران کودکِ نا رسید

[1] عرب کی مرثیہ گوئی کا مضمون ایک نہایت وسیع مضمون ہے لیکن ہم کو اقتضاے مقام سے نہایت اختصار کرنا پڑا کتاب العمدہ ابن رشیق نے باب المراثی مین اسپر مفصل بحث کی ہے۔

بزد چنگ و بدرید پیراهنش / درخشان شد آن لعل زیبا تنش

برآورد بانگ و غریو و خروش / زمان تا زمان زو همی رفت هوش

فرو برد ناخن دو دیده بکند / برآورد بالا در آتش فگند

مر آن زلف چون تاب داده کمند / به انگشت پیچید و از بن بکند

روان گشت از روی او جوی خون / زمان تا زمان اندر آمد نگون

همه خاک تیره بسر بر فگند / بدندان ز بازوی خود گوشت کند

بسر بر فگند آتش و بر فروخت / همه موی مشکین بآتش بسوخت

همی گفت کای جان مادر کنون / کجائی سرشته بخاک و بخون؟

دو چشمم بره بود گفتم مگر / ز سهراب و رستم بیابم خبر

گمانم چنان بود، گفتم کنون / بگشتی بگرد جهان اندرون

پدر را همی جستی و یافتی / کنون آمدن نیز بشتافتی

چه دانستم ای پور کاید خبر / که رستم بخنجر دریدت جگر

دریغش نیامد ازان روی تو / ازان برز و بالای و بازوی تو

بپرورده بودم تنش را بناز / برخشنده روز و شبان دراز

کنون آن بخون اندرون غرقه گشت / کفن بر تن پاک او خرقه گشت

کنون من کرا گیرم اندر کنار / که خواهد بدن مر مرا غمگسار

کرا گویم این درد و تیمار خویش / کرا خوانم اکنون بجای تو پیش

پدر جستی ای گرد لشکر پناه / بجای پدر گورت آمد براه

از امید نا مید گشتی تو زار / بخفتی بخاک اندرون زار و خوار

ازان پیش کو دشنه را بر کشید / جگرگاه سیمین تو بر درید

چرا آن نشانی که مادرت داد / ندادی بدو بر نکردیش یاد

نشان دادہ بد از پدر مادرت — زبہر چہ نامد بہے مادرت
کنون مادرت ماند بی تو اسیر — پر از درد و تیمار و رنج و زحیر
چرا نامدم با تو اندر سفر — کہ گشتی بگردان گیتی سمر
مرا رستم از دور بشناختی — ترا با من اے پور بنواختی
بیندا ختی تیغ آن سرفراز — نکردی جگرگاہت ای پور باز
ہمی گفت و می خست و میکند موی — ہمی زد کف دست بر خوبروی
ہمی گفت مادرت بیچارہ گشت — بہ خنجر جگرگاہ تو پارہ گشت

اسی زمانہ کے قریب سلطان محمود کی وفات پر فرخی نے مرثیہ لکھا، جو نہایت مؤثر اور درد انگیز ہے

شہر غزنین نہ ہمان ست کہ من دیدم پار — چہ فتادست؟ کہ امسال دگرگون شد کار
کوہہا بینم، پر شورش و سرتاسر کوی — ہمہ پر جوشن و جوشن درو پر خیل و سوار
آلک امسال دگر باز نیامد ز غزا — دشمنی روی نہادست درین شہر و دیار
آہ و دردا کہ بیک بارہ تہی بینم ازو — کاخ محمودی و آن خانۂ پر نقش و نگار
سیر می خوردہ مگر دی و بخفتہ است امروز — دیر تر خاست، مگر رنج رسیدش ز خمار
خیز شاہا! کہ رسولان شہان آمدہ اند — ہدیہا دارند آوردہ فراوان و نثار
کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازین خواب ترا — خفتنی خفتی، کز خواب نگردی بیدار
خفتن بسیار، اے خسرو! خوی تو نبود — ہیچ کس خفتہ ندیدست ترا زین کردار
یک دمک بارے در خانہ بیاییست نشست — تا بدیدندے روی تو عزیزان و تبار
بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہان — تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بکنار؟
شعرا را بتو بازار بر افروختہ بود — رفتی و با تو بیکبارہ برفت آن بازار

اس دور کے بعد مرثیے بہت کم لکھے گئے اور جو لکھے گئے وہ صرف رسمی مرثیے

تھے، جن سے شاعری کے تمام اقسام پر قادر ہونے کا اظہار مقصود تھا، البتہ شیخ سعدی اور امیر خسرو کے دو مرثیے بہت مشہور ہین، اور چونکہ دل سے نکلے ہین، حسرت خیز اور درد انگیز ہین، لیکن چونکہ اس زمانہ کی عیش و طرب کی مجلسین غزل کے ترانون سے گونج رہی تھین۔ اس لئے ان کا اثر عام نہین ہوا، جب صفویہ اور تیموریہ کا دور آیا تو شاعری نے ایک دوسرا قالب اختیار کیا، اور سنائی، نظیری، عرفی کی زور آوریون نے پرانی بنیادین مٹا کر نئی عمارتین قائم کین، اس زمانہ مین محتشم کاشی نے عام دستور کے موافق شاہ طہماسپ صفوی کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا طہماسپ کو خاندان رسالت سے عشقیہ نیازمندی تھی، اس بنا پر اس نے کہا کہ مین اس بات کو ہرگز پسند نہین کرتا کہ میری مدح مین قصائد لکھے جائین، شعرا کو ائمہ اہلبیت کی شان مین طبع آزمائی کرنی چاہیے، جس کا اصلی صلہ خدا کے دربار سے ملیگا اور دنیوی تمتعات دربار شاہی سے حاصل ہونگے، محتشم نے اس خواہش کے موافق آٹھ دس بندون کا ایک مرثیہ لکھا، جو درد و غم کی مجسم تصویر ہے، اور جس کا جواب آج تک نہو سکا اس مرثیہ کے چند بند یہ ہین،۔

مرثیہ محتشم کاشی

چون خون ز حلق تشنۂ او بر زمین رسید	جوش از زمین بہ ذروۂ عرش برین رسید
نخل بلند او چو خسان بر زمین زدند	طوفان بہ آسمان ز غبار زمین رسید
باد آن غبار چون بمزار نبی رساند	گرد از مدینہ بر فلکِ ہفتمین رسید
کرد این خیال وہم غلط کار۔ کان غبار	تا دامن جلال جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذات ذوالجلال
او در دل است و ہیچ دلی نیست بے ملال

ترسم جزاے قاتلِ او چون رقم زنند	یکبار بر جریدۂ رحمت قلم زنند

ترسم کزین گناه شفیعان روز حشر — دارند شرم کز گنه خلق دم زنند
دست عتاب حق بدر آید ز آستین — چون اہلبیت دست بر اہل ستم زنند
آه از دمے که باکفن خونچکان ز خاک — آل علی چو شعلهٔ آتش علم زنند
فریاد از آن زمان که جوانان اہلبیت — گلگون قدم به عرصهٔ محشر قدم زنند
از صاحب حرم چه توقع کنند باز — آن ناکسان که تیغ بصید حرم زنند

پس بر سنان کنند سرے را که جبرئیل
شوید غبار گیسویش از آب سلسبیل

بر حربگاه[ف] چون ره آن کاروان فتاد — شور نشور واهمه را در گمان فتاد
هم بانگ نوحه غلغله در شش جهت فگند — هم گریه بر ملائک هفت آسمان فتاد
چندانکه بر تن شهدا چشم کار کرد — بر زخمهاے کاری تیغ و سنان فتاد
ناگاه چشم دختر زہراؑ دران میان — بر پیکر شریف امام زمان فتاد
بے اختیار نعرهٔ ہذا حسینؑ ازو — سر زد چنانکه آتش ازو در جہان فتاد

پس با زبان پر گله آن بضعة البتول
رو در مدینه کرد که یا ایها الرسول

این کشتهٔ فتاده به هامون حسینؑ تست — وین صید دست و پا زده در خون حسینؑ تست
این غرقهٔ محیط شهادت که روی دشت — از موج خون او شده گلگون حسینؑ تست
این خشک لب فتادهٔ ممنوع از فرات — کز خون او زمین شده جیحون حسینؑ تست
این شاه کم سپاه که با خیل اشک و آه — خرگاه ازین جهان زده بیرون حسینؑ تست
این قالب طپان که چنین مانده بر زمین — شاه شهید نا شده مدفون حسینؑ تست

پس روے در بقیع به زہراؑ خطاب کرد
وحش زمین و مرغ هوا را کباب کرد

ف ایک بند اس سے پہلے کا چھوڑ دیا گیا ہے جسمین یہ بیان ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد مخالفین اہل حرم کو بے عماری کے اونٹون پر سوار کرکے، شہدا کی لاشون کے سامنے سے لے گئے ۱۲

کاے مونس شکستہ دلان حال ما ببین / مارا غریب و بیکس و بے آشنا ببین
تنہاے کشتگان ہمہ در خاک و خون نگر / سرہاے سروران ہمہ بر نیزہا ببین
آن سر کہ بود بر سر دوش نبی مدام / یک نیزہ اش ز دوش مخالف جدا ببین
وان تن کہ بود پرورشش در کنار تو / غلطان بخاک معرکۂ کربلا ببین
در خلد بر حجاب دو کون آستین فشان / واندر جہان مصیبت ما بر ملا ببین
نے نے درآ چو ابر خروشان بہ کربلا / طغیان سیل فتنہ و موج بلا ببین

یا بضعۃ البتول ز ابن زیاد داد
کو خاک اہل بیت رسالت بباد داد

محتشم کے مرثیہ کو اگرچہ حد سے بڑھکر حسن قبول حاصل ہوا، اور دربار شاہی سے صلہ اور انعام بھی ملا، لیکن تمام ملک مین قصیدہ اور مدح کا رنگ اس قدر چھایا ہوا تھا، کہ عام شعرا پر اسکا چندان اثر نہین پڑا، طالب آملی، غزالی، میلی، سلیم، کلیم وغیرہ، شعراء متاخرین کے کلام مین اور سب اصناف سخن پائے جاتے ہین۔ لیکن مرثیہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ حاجی محمد جان قدسی نے اپنے بیٹے کا جو نوجوان مرگیا تھا، نہایت پردرد مرثیہ لکھا، لیکن نوبادۂ رسالت کے غم مین دو شعر بھی نہ لکھے۔ ظہوری نے البتہ بہت سے مرثیے لکھے، لیکن وہ اپنا دلی جوش نہ تھا، بلکہ ابراہیم عادل شاہ کی خوشامد تھی، چنانچہ اکثر مرثیون کے خاتمے مین ابراہیم عادل شاہ کا نام اس طرح آتا ہے جس طرح قصائد مین تشبیب کے بعد گریز۔

ایک بند کے خاتمہ کا شعر ہے ؎

سرکن ز روے صدق، ظہوری رہِ دعا / از گفتگو دعاے شہنشاہ مدعا است

خود کہتا ہے کہ مرثیہ سے صرف بادشاہ کی دعا مقصود ہے۔

ایک اور مرثیہ کا خاتمہ ہے ؎

ایام ازان بہ کام حسینؑ و حسنؑ نہ بود	کان روز شہریار سریر دکن نبود

ایک اور موقع پر فرماتے ہین ؎

روزے کہ سرور شہدا بے سپاہ بود	ہنگام کارزار براہیم شاہ بود

اِس خوشامد کا کیا ٹھکانا ہے کہ حسین علیہ السلام کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ مین بادشاہ دکن موجود نہ تھا ۔

محتشم کے بعد مقبل نے مرثیہ گوئی کی طرف خاص توجہ کی، اس نے مرثیہ ہی کو شاعری کا موضوع قرار دیا، نہایت کثرت سے مرثیے لکھے، اور بڑا کام یہ کیا کہ کربلا کے تمام واقعات، ابتداے سفر سے لیکر اہل حرم کے قید ہونے، اور رہائی پاکر مدینہ مین آنے تک، سادہ طریقہ پر لیکن تفصیل کے ساتھ، ان مرثیون مین ادا کردیئے۔ اُس کے مرثیون کو مرثیہ کی بہ نسبت تاریخ کہنا زیادہ موزون ہے۔ اس غرض کے لئے اُس نے ترکیب بند وغیرہ چھوڑکر مثنوی کا طریقہ اختیار کیا، اور مثنوی مین بھی قدیم معمولی بحرین اختیار نہین کین، بلکہ قصائد کی بحر انتخاب کی، تاکہ ہر قسم کے مطالب بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوسکین، اور سوزخوانی کے کام بھی آئین، کیونکہ مثنوی کی مروجہ بحرون مین سوزخوانی کے اُتار چڑھاؤ کی کھپت نہین ہوسکتی تھی ۔

مقبل کے مرثیون مین اگرچہ وہ زور اور بندش کی چستی نہین ہے، جو اس دور کا خاصہ ہے لیکن درد اور تاثیر سے خالی نہین، نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر لکھتے ہین ؎

مخدرات بہ عباسؑ در سخن بودند	برائے رفتن او در گریستن بودند
کہ از درون سراپردہ با فغان و خروش	سکینہ آمد و یک مشک خالی بر دوش
دوان بخدمت عمّ بزرگوار آورد	چنان کہ اہل حرم را بزار زار آورد
بگریہ گفت کہ ای عمّ خوش قرینۂ من	رسید جان بلب از تشنگی ز سینۂ من
چہ واقعست کہ رحمی بخلق دوران نیست	چہ شد کہ جرعۂ آبی درین بیابان نیست
چو دید حضرت عباسؑ بے قراری او	گسیخت بند دلش از فغان و زاری او

مقبل کے بعد ایران مین مرثیہ گویون کا ایک خاص گروہ پیدا ہوگیا، اور مرثیہ کے اور بہت سے اقسام پیدا ہوگئے، مثلاً نوحہ، پیش خوانی وغیرہ۔

ہندوستان مین مرثیہ گوئی کی ابتدا

ہندوستان مین شاعری کی ابتدا **ولی** سے ہوئی، ولی نے اگرچہ کربلا کے حالات مین ایک خاص مثنوی لکھی لیکن اسکے کلام مین مرثیہ کا پتہ نہین لگتا، یہ معلوم نہین کہ مرثیہ کی ابتدا کس نے کی لیکن اسقدر یقینی ہے کہ سودا اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہوچکا تھا۔ سودا نے اپنے شہر آشوب مین میان مسکین مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے ؎

اسقاطِ حمل ہو تو کہین مرثیہ ایسا	پھر کوئی نہ پوچھے میان مسکین کہان ہے

میر تقی صاحب کے دیوان مین اگرچہ کوئی مرثیہ نہین، لیکن مرثیہ اُنھون نے بھی کہا ہے۔ اُن کے ایک مرثیہ کا رد مرزا سودا نے لکھا ہے، جسکے چند شعر یہ ہین ؎

دلون پر محبون کے حالت عجب ہے	مصیبت ہے ماتم ہے غم ہے تعب ہے
غرض کیا کہون کس روش کا غضب ہے	حسینؑ علیؑ کی شہادت کی شب ہے
کوئی دل نہین جس کو ماتم نہ ہوگا	وہ دل دیر ہے جس مین یہ غم نہوگا
یہ دن کچھ قیامت سے بھی کم نہوگا	قیامت مین یہ کچھ نہوگا جواب ہے
بجا ہے کہ لوہو کے دریا بہائیے	یہ کشتی فلک کی لہو مین ڈبائیے
شہ تشنہ لب کا کسے غم سنائیے	یہ کس منہ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے

اسوقت تک مرثیے عموماً چو مصرع ہوتے تھے، غالباً سب سے پہلے سودا نے مسدس لکھا جو اُن کے دیوان مین موجود ہے، اردو مین مرثیہ کی وسعت اور ترقی کا یہ پہلا قدم تھا، کیونکہ چو مصرع مین اول سے آخر تک ایک خاص قافیہ کی پابندی کی وجہ سے ہر قسم کے مطالب نہین ادا کئے جا سکتے تھے۔

میر انیس کے اس مصرع سے ع پانچوین پشت ہے شبیر کی مداحی مین، ثابت ہوتا ہے کہ میر ضاحک صاحب نے جو میر انیس کے پردادا اور سودا کے معاصر تھے،

اور میر حسن اُن کے بیٹے نے بھی مرثیہ لکھا ہے، لیکن ضاحک کا کلام تو سرے سے مفقود ہے، میر حسن کا دیوان مدت ہوئی مین نے دیکھا تھا، یاد نہین آتا، کہ اس مین مرثیہ بھی ہے یا نہین۔

یہ امر تعجب سے خالی نہین کہ میر تقی، اور مرزا سودا جیسے قادر الکلام نے بھی مرثیہ کو چندان ترقی نہین دی، اور میر ضمیر تک یہ فن گویا ابتدائی ہی حالت مین رہا، چنانچہ سودا کے مسدس کا ایک بند ہم نقل کرتے ہین، جس سے اس زمانہ کی مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوگا۔

کس سے اے چرخ کہون جا کے تری بیدادی	جو ہر دنیا مین سو کہتا ہو مجھے ایذا دی
ہاتھ سے کون نہین آج ترے فریادی	یان تلک پہونچی ہو ملعون تری بیدادی

کون فرزند علی پر یہ ستم کرتا ہے
کیون مکافات سے اسکی تو نہین ڈرتا ہے

خویش و فرزند و عزیز اسکے تھے جتنے پیارے	دشمنہ و تیغ سے ان ظالمون کے سب مارے
اہلبیت اُس کے جو باقی ہین سو ہین آوارے	قید مین کوفیون کے جاتے ہین وہ بیچارے

نہ اُنھین چین ہے دِن کو نہ اُنھین رات آرام
اس مصیبت سے چلے جاتے ہین کربل سے شام

شاید یہ خیال ہو کہ اسوقت تک شعرا مرثیہ کو محض ایک مذہبی فرض سمجھتے تھے اور اسوجہ سے شاعرانہ طباعی اور زور آوری سے اجتناب کرتے تھے، ان کا مقصد صرف رونا رُلانا ہوتا تھا، جس کو شاعری سے تعلق نہین، لیکن یہ خیال صحیح نہین، مرزا سودا، میر تقی کے مرثیہ کی رد کی تمہید مین لکھتے ہین،

"لیکن مشکل ترین دقائق، طریقہ مرثیہ کا معلوم کیا، کہ مضمون واحد کو ہزار رنگ مین ربطِ معنی دیا، اس کام مین محتشم سا کسو نے عزِ قبول نہین پایا، پس لازم ہو کہ مرتبہ در نظر رکھ کر مرثیہ کہے، نہ کہ برائے گریۂ عوام اپنے تئین ماخوذ کرے"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا مرثیہ کو مشکل ترین فنون سمجھتے تھے، اور اس کا مقصد محض گریۂ عوام نہیں قرار دیتے تھے ۔

غرض اس زمانہ مین جو کچھ ترقی ہوئی وہ صرف اسقدر تھی کہ مرثیے چومصرع سے مسدس ہوگئے، سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خلعت پہنایا، وہ میر ضمیر مرزا دبیر کے اُستاد ہین، میر ضمیر کے مرثیے چھپ کر شائع ہوچکے ہین، انھون نے مرثیہ مین جو جدتین پیدا کین، حسب ذیل ہین -

میر ضمیر

۱- رزمیہ لکھا،

۲- سراپا ایجاد کیا،

۳- گھوڑے، تلوار، اور اسلحۂ جنگ کے الگ الگ اوصاف لکھے، اور یہی مضامین آج موجودہ مرثیون کے مہات موضوع ہین،

۴- واقعہ نگاری کی بنیاد ڈالی، چنانچہ ایک ایک جزئی واقعہ کو تفصیل کے ساتھ لکھا،

۵- سب سے بڑھکر یہ کہ کلام مین زور اور بندش مین چستی اور صفائی پیدا کی، غلط الفاظ جو مرثیون کے لئے گویا جائز مان لئے گئے تھے اکثر ترک کردیے۔ ان کے عمدہ کلام کا اگر انتخاب کیا جائے، تو میر انیس کا کلام معلوم ہوگا -

اب سے پہلے مرثیہ سوز کے لہجے مین پڑھے جاتے تھے، اب تحت لفظ کا بھی رواج ہوا اور غالبًا پہلا شخص جسنے ممبر پر بیٹھکر تحت لفظ پڑھا میر ضمیر صاحب تھے، نئی تشبیہات - لطیف استعارے - مبالغہ - واقعہ نگاری - مناظر قدرت کی تصویر - غرض میر انیس اور مرزا دبیر کے کلام کے جس قدر محاسن ہین ضمیر کے ہان سب پائے جاتے ہین - یہ ضرور ہے کہ میر ضمیر کے ہان ان کا رنگ ہلکا تھا، ان دونون صاحبون نے شوخ کردیا - میر ضمیر کے ہر نمونہ کے چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین -

روز مرہ اور صفا

جا کے میدان مین کس طرح یہ محبوب لڑے	یہ تو کہئے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے

چاہتا تھا کہ کرون ضبط پہ چپ رہتا تھا — پوچھو اکبر سے مین ہر ہاتھ پہ کیا کہتا تھا
چیر کر فوج کو اس پار سے اُس پار گئے — مین نے خود دیکھا کہ دریا پہ کئی بار گئے
پانی تو پی نہین حیدر کے نواسے آئے
بولے عباس کہ پیاسے گئے پیاسے آئے

قریب جاتے ہی ہندہ نے اُن کا تھاما ہات — کہا سلام علیک ای ضعیفہ نیک صفات
وہان سے لائے اُٹھا کر تو پھر کہی یہ بات — سمجھ مین کچھ نہین آتے ہین آپ کے حالات
وہ روشنی ہین بغور اُن کے مُنہ کو تکتی تھی
اگرچہ قصد تھا - پر کچھ وہ کہہ نہ سکتی تھی

کہا یہ ہندہ نے کچھ مین نے تم کو پہچانا — کہین سے ہے شہر مدینہ مین ظاہرا دیکھا
محلہ ہے وہان مشہور آل ہاشم کا — ہمیشہ آمد و شد تھی غرض مری اُس جا
ضرور دیکھا ہے آل عقیل و جعفر مین
و یا جناب رسالتمآب کے گھر مین

سوا اس کلام سے مطلب ہے یہ خدا ہی گواہ — جناب فاطمہ کے گھر مین ہے تمھین کچھ راہ
خصوص زینب و کلثوم سے بھی ہو آگاہ — ہین دونون بیبیان شہزادیان مری واللہ
وہ سب تو ایک طرف پر امام اچھے ہین
کہو حسین علیہ السلام اچھے ہین

پنہان زرہ مین ہوتی تھی اس طرح سے سنان — بجلی چمک کے ہوتی ہے جون ابر مین نہان
اس نیزہ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان — تھا اژدہاے موسیٰ عمران کی وہ زبان

نیزہ کی یہی تشبیہ ہے جس کو میر انیس صاحب نے زیادہ لطیف اور صاف کر دیا ہے
چنانچہ کہتے ہین ع گویا زبان نکالے ہوے اژدہا چلا،
میر انیس نے اسی سے دو نیزون کے باہم ٹکرانے کا مضمون پیدا کیا، اور اس لطف کو

دو بالا کر دیا ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانیں نکال کے '

تھا دیدۂ حیران، ہر اک زخم بدن میں	میرضمیر	انگشت تاسف تھی زبان سب کے دہن میں
گھوڑا وہ تیز رو ہے کہ ناگاہ ایک بار		اتنا کہا تھا وہم نے ہان چل تو ایک بار
دونوں نے ہم عنانی و سرعت کی اختیار		آخر کہان وہ اور کہان وہم ہرزہ کار

کچھ کچھ تو ساتھ ساتھ وہ مقدور بھر گیا
پھر یہ خبر نہیں کہ کہاں تھا کدھر گیا

اسی زمانہ مین میرخلیق صاحب نے مرثیہ کے فن کو بہت ترقی دی ، میرانیس صاحب اُن کے بیٹے جا بجا اپنے مرثیون مین اُن کی فصاحت اور روزمرہ کا ذکر کرتے ہین ایک بند مین اپنے روزمرہ پر ناز کرتے ہین، اور کہتے ہین ع حقا کہ یہ خلیق کی ہے سر بسر زبان، میرخلیق کے ایک سلام کا مطلع و مقطع مشہور ہے ؎

مجرائی طبع کُند ہے لطف بیان گیا		دندان گئے کہ جوہر تیغ زبان گیا
گذری بہار عمر خلیق اب کہین گے سب		باغ جہان سے بُلبل ہندوستان گیا

اِن اشعار سے قیاس ہوتا ہی کہ میرخلیق نے میرضمیر سے کچھ کم اس فن پر احسان نہین کیا ہوگا، لیکن افسوس ہی کہ اُن کا کلام نہین ملتا، میر نواب صاحب نامی ایک بزرگ نے جو میرخلیق کے بہ یک واسطہ شاگرد تھے، سنہ ۱۲۹۱ھ مین بمقام گلبرگہ، حیدرآباد دکن، ایک مجموعہ چھاپا تھا، جس مین میرخلیق۔ مونس۔ اور انیس کے چند مرثیے جمع کئے تھے، اس مین میرخلیق کے متعدد مرثیے ہین لیکن اکثر وہ ہین جو آج میرانیس کے نام سے مشہور ہین، اور جو میرانیس کے چھپے ہوے مرثیون مین شامل ہین، بعض ایسے ہین جو مطبوعہ مرثیون مین شامل نہین، لیکن زبان، اور طرز ادا سے قیاس ہوتا ہی کہ میرانیس ہی کے نتائج فکر ہین، اور اگر وہ واقعی میرخلیق کا کلام ہی، تو بیٹے کو باپ پر ترجیح کی کوئی وجہ نہین۔

چند نمونے ملاحظہ ہون ؎

مرتا ہے باپ، اے علی اکبر! ابھی نہ جا | دل مانتا نہیں مرے دلبر ابھی نہ جا
اے لال اسوئے نیزہ و خنجر ابھی نہ جا | ہے ہے نہ جا شبیہ پیمبر ابھی نہ جا
مضطر ہوں چین آئے یہ آتا نہیں مجھے
رونے میں منہ ترا نظر آتا نہیں مجھے

ماتھے کو چومتے تھے کبھی اور دہن کبھی | تکتے تھے سوئے زلف شکن در شکن کبھی
روتے تھے لیکے بوسۂ سیب ذقن کبھی | یوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیرہن کبھی
ملتے تھے خشک ہونٹھ لب گلعذار سے
سینہ پہ رکھتے تھے کبھی منہ اپنا پیار سے

فوجوں کا ہجوم

پیاسے پہ مثل ابر امنڈ آئے دل کے دل | شعلے صفت چمکنے لگے برچھیوں کے پھل
چلوں میں تیر رکھ کے بڑھے دم دیے کے بل | تیغیں اٹھی ہوئیں جو کھنچیں ہٹ گئی اجل
دن کو سیاہی شب ظلمات ہو گئی
کھولے نشان شامیوں نے رات ہو گئی

تلوار

موجیں زرہ، حباب ہیں سر اس کے سامنے | شق ہیں بہادروں کے جگر اسکے سامنے
رکھتی ہے کیا بساط سپر اس کے سامنے | تھکتے ہیں جبرئیل کے پر اس کے سامنے
مارے کمر کا ہاتھ اگر پاؤں گاڑ کے
دو ٹکڑے آسیا کی طرح ہوں پہاڑ کے

فوج کی بدحواسی

حیران تھے کب حسام سے کاٹھی جدا ہوئی | ترکش میں ڈھونڈتے تھے کہ تلوار کیا ہوئی

میر انیس

میر انیس تقریباً سنہ ۱۲۱۶ھ میں پیدا ہوئے، انھوں نے مرثیہ کو جو ترقی دی اسکی تفصیل آگے آئیگی۔ یہاں جو باتیں کہنے کے قابل ہیں یہ ہیں۔

۱۔ میر انیس کا خاندان دلی کا خاندان تھا، اگرچہ اُن کے پردادا میر ضاحک دلی سے چلے آئے تھے، اور فیض آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی، تاہم دلی کی جو خصوصیات تھیں وہ

وہ اخیر تک اس خاندان مین قائم رہین، میر انیس اکثر موقعون پر ناز کے لہجہ مین کہتے تھے، صاحبو، ارباب لکھنؤ اس طرح نہین بولتے، یہ میرے گھر کی زبان ہے" اسی بنا پر جابجا جگہ کو "جاگہہ" لکھا ہے، اور یہ صرف تحریری زبان نہین، وہ یون ہی بولتے بھی تھے، مین نے اپنے معزز دوستون سے، جو میر صاحب کی صحبتون مین اکثر شریک رہا کئے ہین، سُنا ہے کہ جب کبھی لوگ اُن کی مجلس مین صفِ نعال مین آکر بیٹھ جاتے تھے تو فرماتے تھے، صاحبو! جاگہہ ادھر ہے، افعال کو فاعل کی مطابقت سے جمع لکھنا بھی دہلی ہی کا اثر ہے مثلاً ع جلدی مین گو جوانون نے چوٹین بچائیان -

۲- میر صاحب نے شاعری میراث مین پائی تھی، اُن کے مرثیے جو خاص جوہر ہین وہ میراث ہی کی یادگار ہین، اُن کے دادا میر حسن گو غزل بھی کہتے تھے، لیکن جس چیز نے اُن کو عالم شہرت کا تاجدار بنایا، وہ اُن کی مثنوی بدر منیر ہے" اس مثنوی کا خاص وصف واقعات، اور کیفیات کا سین دکھانا ہے۔ وہ جس واقعہ یا حالت کو لکھتے ہین، اس کا سمان باندھ دیتے ہین -

میر انیس کے مرثیون مین واقعات اور کیفیات کی تصویر کھینچ دینے کی جو خصوصیت ہے، دادا کی میراث ہے۔ البتہ یہ فرق ہے کہ میر حسن، واقعہ نگاری کی وسعت مین ابتذال اور عامیانہ بول چال کی پروا نہین کرتے، میر انیس نے واقعہ نگاری اور مصوری کے ساتھ، بندش کی چستی، اور خواص کی طرزِ گفتگو کی خصوصیت بھی قائم رکھی، اور یہ قادرالکلامی کی انتہا ہے -

۳- میر حسن صاحب غزل گوئی مین اگرچہ سودا اور میر درد کے شاگرد تھے، لیکن سودا کا پرتو اُن پر نہین پڑا، صرف میر درد کا رنگ ہے، یعنی روزمرّہ، صفائی، گھلاوٹ، اور درد، یہی باتین میر انیس صاحب کے ہان بھی ہین، جو لوگ کہتے ہین کہ میر انیس صرف بین لکھنا جانتے ہین، اس جھوٹ مین سچ بھی ہے، یعنی بین، رزم سے بہتر لکھتے ہین، یہ وہی خصوصیت ہے، جو دادا سے ترکہ مین ملی ہے ؎

۴ - میر انیس کی شاعری کے متعلق یہ مسئلہ نہایت مہتم بالشان مسئلہ ہے کہ مرزا دبیر کی رقابت اور مقابلہ نے اُن کے کلام پر کیا اثر پیدا کئے، اگر یہ پتہ لگ سکتا، کہ دونون حریفون مین سے اول کس نے میدان شاعری مین قدم رکھا اور خاص خاص مرثیے، بلکہ خاص خاص بند جو دونون کے ہان قریب المعنی پائے جاتے ہین، اول کس نے کہے، تو شاعری کی تاریخ کے بہت سے دقیق نکتے حل ہو جاتے، لیکن افسوس ہے کہ با وجود بہت سی جد و جہد کے اس بارہ مین مجھ کو کامیابی نہین ہوئی -

دونون حریفون کے مرثیون کو دیکھو، تو صاف نظر آتا ہے، کہ ایک نے دوسرے کے کلام کو سامنے رکھکر لکھا ہے، لیکن زمانہ کے تقدیم و تاخیر کے نہ معلوم ہونے سے یہ نہین متعین ہوتا کہ ایجاد کا فخر کس کو ہے، اور کس نے کس سے کیا اثر لیا ہے، میر انیس جا بجا فخریہ شعرون مین اس بات کا اشارہ کرتے ہین، کہ اُن کے حریف اُن کے کلام سے فائدہ اُٹھاتے ہین، مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار	خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو
نو اسنجیون نے تری اے انیس	ہر اک زاغ کو خوش بیان کر دیا
ملتی نہین دزدان معانی سے نجات	سچ ہے کہ کمس سے کب شکر بچتی ہے

اِن چوٹون کو سنکر مرزا دبیر صاحب برابر کا جواب نہین دیتے، یعنی یہ نہین کہتے کہ مین نہین، میرا حریف سرقہ کرتا ہے، بلکہ صرف تبرّی کرتے ہین کہ مین اس جرم کا مرتکب نہین، چنانچہ فرماتے ہین ؎

شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہون	ہر مرثیہ مین موجد طرز جدید ہون
ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے	یعنی بری ہون سرقۂ مضمون غیر سے

اِس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے، میر انیس، میرزا صاحب کے مقابلہ کا قصد نہین کرتے تھے، اور اُن کے مرثیون کا جواب لکھنا نہین چاہتے تھے، ورنہ میرزا صاحب

ضرور اس کا اشارہ کرتے، اسکے ساتھ جب بعض مرثیون سے صاف ثابت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ پر لکھے گئے ہین، تو خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ مقابلہ اور ہم طرحی و مسابقت کی کوشش میرزا صاحب ہی کی طرف سے ہوتی تھی، میر انیس نے اسی کی طرف ایک موقع پر اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہین ؎

اٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو	بھلا تردد بیجا سے اس مین کیا حاصل

جن مرثیون یا اشعار یا مضامین مین تقابل یا توارد ہے ان کی تفصیل آگے آئیگی، اور وہان اس تمہیدی بحث کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

۵ - میر انیس کا جو کلام موجود ہے، ۵ جلدون مین شائع ہوا ہے، لیکن میر صاحب کے متوسلین کا خاص دعوی ہے، کہ ان مرثیون مین بہت کچھ تحریف، اور خلط ہوا ہے۔ مولوی عبدالغفور نساخ نے ایک رسالہ مرزا دبیر اور میر انیس کے اغلاط کے متعلق لکھا تھا، اس کا جواب میرزا محمد رضا تخلص بمعجز، شاگرد ناسخ نے لکھا، جس کا نام تطہیر الاوساخ ہے، اور جو ۱۲۹۶ھ مین شعلۂ طور کانپور مین چھپا تھا، اس کے دیباچہ مین میرزا رضا صاحب لکھتے ہین۔

"ثانیاً یہ بات بھی کالنار علی العلم ہے کہ اکثر تلامذۂ میر صاحب و مرزا دبیر صاحب نے بلحاظ اپنے پڑھنے کے اکثر تصرفات بہ تغیر و تبدل الفاظ و مصرعہ و بند کے کئے ہین، بہ نظر اختصار کسی مرثیہ کے کچھ بند نکال ڈالے، اور کہین درمیان مرثیہ مین کوئی مطلع یا بند ایجاد کر کے الحاق کیا تاکہ وہین سے پڑھنا شروع کرین، کہین بغرض لگاؤ ابکا، مضامین مبکیہ موزون کر کے شامل مرثیہ کئے، کہین الفاظ مین موافق اپنے فہم و سلیقہ کے کمی و بیشی کی، یا مشتاقین نے جو مرثیہ جدید زبان سے ان صاحبون کی مجلس مین سنا خفیہ تحریر کیا، اور جو الفاظ یا مصرع بہ سبب عجلت تحریر یا عدم سماعت کے رہ گئے، انکی تکمیل بطور خود کی اس باعث سے کہ نقل مرثیۂ جدید و نو تصنیف کا دستیاب ہونا شاعرین سے غیر ممکن تھا، پس جو کچھ کہ مرثیہ اُن کے تلامذہ کے پاس ہین، ان مین اکثر کالاصل نہین ہین، تغیر و تبدل۔

اضافہ و نقصان اُن مین بہت ہے، اور انھین مرثیون کی نقل وہ مرثیے ہین جو مطبوع ہوے ہین، پس مراثی مطبوعہ من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد ہین "

اس بنا پر میرزا رضا صاحب نے میر نفیس صاحب سے جو میر انیس کے فرزند رشید تھے، مطبوعہ مرثیون کی تصحیح کی جس کا نتیجہ حسب ذیل ہے -

یہ مرثیہ ع اے تیغ زبان جوہر تقریر دکھا دے، اس مصرعہ تک، ملنے لگے آنکھین قدم سرور دین پر، میر صاحب کا کلام ہے، باقی ۱۲۵ سے لیکر ۱۵۰ تک اور مقطع کے دو اول مصرعے سب الحاقی ہین -

یہ مرثیہ ع دشت وغا مین نور خدا کا ظہور ہے، ستر بند تک یعنی اس ٹیپ تک مصرع چھاتی کے پار نیزہ کی نوکین نکل گئین، میر صاحب کا کلام ہے، باقی الحاقی ہے، یہ شعر

"دلپٹون گلے سے ہین پدر نا توان کے	سینہ سے تو سرک تو مرے بابا جان کے"

الحاقی ہے -

میرزا رضا صاحب نے اور بہت سے اعتراضات کے جواب مین جو خاص خاص الفاظ یا تراکیب پر تھے اُن الفاظ اور تراکیب سے انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ اصل مرثیہ مین یون نہین یون ہے، چونکہ اس قسم کے الفاظ نہایت کثرت سے تھے، اس لئے ہم انکو قلم انداز کرتے ہین، ناظرین چاہین تو اصل رسالہ کو ملاحظہ فرمائین -

ہم کو اس سے انکار نہین کہ مطبوعہ مرثیے نہایت غلط چھپے ہین، لیکن میرزا رضا صاحب نے تو یہ غضب کیا ہے، کہ جہان کوئی لفظ محاورۂ حال کے خلاف نظر آیا، اس کے وجود سے انکار کر دیا، حالانکہ یہ تعمیم صحیح نہین - میر انیس نے بہتر برس کی عمر پائی، ان کی ابتدا ءِ مشق مین قدیم محاورے اور غلط الفاظ نہایت کثرت سے متداول تھے، اور شعرا بے تکلف اُن کو استعمال کرتے تھے، شیخ ناسخ نے البتہ اس قسم کے تمام الفاظ کو ترک کر دیا تھا، لیکن جو لوگ اپنے تئین دلی کی طرف منسوب کرتے تھے، وہ ان الفاظ اور محاورات کو وطن کی یادگار سمجھتے تھے،

چنانچہ غالب و ذوق جو خاتم الشعرا ہین ان کے ہان وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہین جن کو شیخ ناسخ مدتون سے چھوڑ چکے تھے، مثلاً میرزا غالب فرماتے ہین۔

ع کشمکش مصلحت سے ہون کہ خوبان تجھ پہ عاشق ہین۔

حالانکہ اس قسم کی جمع ایک مدت سے متروک ہے، اس قسم کے الفاظ میر انیس کے ہان بھی ہین، اور کثرت سے ہین، لیکن وہ ابتدائی مشق کے ہین، ورنہ شیخ ناسخ کے اثر، یا خود مذاق کے بدلنے سے، جس قدر زمانہ گذرتا گیا، میر صاحب قدیم مخصوص الفاظ اور تراکیب چھوڑتے گئے۔

میر انیس کی شاعری کی خصوصیات

اب ہم تفصیل کے ساتھ میر صاحب کی شاعری کی خصوصیات بیان کرتے ہین۔

فصاحت

فصاحت علماے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین، آن مین تنافر نہو، الفاظ نامانوس نہون، قواعد صرفی کے خلاف نہو۔"

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے، اور چونکہ آوازین بعض شیرین، دلآویز، اور لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطے و بلبل کی آواز، اور بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین۔ بعض شستہ، سبک، شیرین، اور بعض ثقیل، بھدے، ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین اور دوسرے کو غیر فصیح۔ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہٖ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے، لیکن تحریر و تقریر مین آن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کئے جاتے ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، آن کو فن بلاغت کی اصطلاح

ہین غریب کہتے ہین، اور اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین۔

میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ اُنھون نے اُردو شعراء مین سے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے اور سیکڑون مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُن کو استعمال کرنے پڑے، تاہم ان کے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پائے جاتے ہین۔ اکثر جگہ عربی، فارسی، کے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین ضرورت سے لانے پڑے ہین لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آئے ہین فارسی ترکیبون کے ساتھ آئے ہین، جس سے ان کی غرابت کم ہوگئی ہے، ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب مین ان الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا۔ مثلاً انگشتری، خاتم رُخ، بادہ، ثنا، حسن، اور اس قسم کے سیکڑون، ہزارون الفاظ ہین، جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین ان کا استعمال نہین ہوتا۔ میر ضمیر ایک موقع پر کہتے ہین ع ذرّیتِ رسول کی خاطر جلائی نار نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے، لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی۔

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے، بعض الفاظ فصیح ہین، بعض فصیح تر، بعض اس سے بھی فصیح تر، میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈھونڈھ کر لاتے ہین۔ میرزا دبیر، اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو، اگر میرزا صاحب کے ہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُن کے مقابلہ مین میر صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے اور اگر میرزا صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب کے ہان فصیح تر ہونگے، میرزا دبیر کی تخصیص نہین، تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس کے کلام کا یہی حال ہے۔

ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین۔ جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکے گا۔

میرزا دبیر	ع	کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین
میر انیس	ع	سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین
میرزا دبیر	ع	آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو
میر انیس	ع	آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو
میرزا دبیر	ع	رویا مین بھی حسینؑ کو رویا ہی کرتے ہین
میر انیس	ع	حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے
میرزا دبیر	ع	جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
میر انیس	ع	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

ابتذال

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ، آسان، کثیر الاستعمال ہو، اس لئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین، حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق ہے، میرزا دبیر صاحب جہان واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین، اکثر ان کے کلام مین مبتذل الفاظ آجاتے ہین۔ مثلاً جہان حضرت شہربانوؑ نے حضرت عباسؑ کی لاش پر نوحہ کیا ہے، شہربانوؑ کی زبان سے فرماتے ہین ع ہے ہے مرے دیور مرے دیور مرے دیور ۞ ایک اور جگہ فرماتے ہین ع ناڑہ تو انکی سالگرہ کا نکال لا ۞

ابتذال کی صاف اور بین مثال نظیر اکبرآبادی کلام ہے، اگر یہ مینر نہ ہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میر انیس یا میر تقی سے ٹکر کھاتا۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا، ابتذال کا معیار مذاقِ صحیح کے سوا اور کوئی چیز نہین، مذاقِ صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل، پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہر کہ پھر بھی اُن کی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبہ نہین آنے پاتا۔

کلام کی فصاحت۔ یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے اُن کی ساخت۔ ہیئت، نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھ اُس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی۔ قرآن مجید مین ہے ٫ما کذب الفواد ما رٰی٬ فواد اور قلب دو ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجاے قلب کا لفظ آئے تو خود وہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا جسکی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجاے خود فصیح ہے لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین اُنکی آواز کا تناسب قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہے۔

میر انیس کا مصرعہ ہے ع فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور۔ صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین، میر انیس نے جابجا ان دونون لفظون کو استعمال کیا ہے اور ہم معنی ہونے کی حیثیت سے کیا ہے، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجاے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائے گا، میر صاحب کا ایک شعر ہے ؎

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین	جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

یہان جنگل کے بجاے صحرا لاؤ تو مصرعہ کا مصرعہ پھُس پھُسا ہوا جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین، لیکن میر صاحب کے اس شعر مین ؎

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا	تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجاے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک مین مل جائے گی

لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہے اس مصرعہ مین ع شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے -

شبنم کے بجاے لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی -

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اس لیئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب پاجائے، اُن آوازون سے اُس کو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سرون کو ترکیب دینا ہوگا، نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سرون کا نام ہے؛ ہر سر بجاے بجاے خود دلکش اور دلاویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دے دیا جائے تو دونون مکروہ ہو جائین گے -

راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا گُر یہی ہے کہ جن سُرون سے اُسکی ترکیب ہو اُن مین نہایت تناسب اور توازن ہو -

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صورت اور سُر ہین اس لئے اُن کی لطافت، شیرینی اور روانی، اُسی وقت تک قائم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لے مین اُن کے مُناسب ہون -

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے ع زیر قدم والدہ فردوس برین ہے -
اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی زیر - قدم - والدہ - فردوس - برین - سب بجاے خود فصیح ہین لیکن اُن کے باہم ترکیب دینے سے، جو مصرعہ پیدا ہوا ہے وہ اسقدر بھدّا اور گران ہے کہ زبان اُسکا تحمل نہین کر سکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہے، اس لیے ثقل پیدا ہوگیا ہے لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا - مثلاً میر انیس صاحب کہتے ہین ؎

مین ہون سردارِ شباب چمنِ خلدِ برین		مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکین

پہلے مصرعہ مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالی اضافات بھی موجود ہے - لیکن یہ بھدّا پن اور

ثقل نہین ہے۔

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن اور توافق پایا جاتا ہے، اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجاے خود بھی فصیح ہوتے ہین تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، اور یہی چیز ہے جسکو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلاویزی، برجستگی، سلاست اور روانی سے تعبیر کرتے ہین - یہی چیز ہے جسکی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

آن را کہ خوانی اُستاد گر بنگری بتحقیق		صنعت گرست اما شعرِ روان نہ وارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے - میر انیس حضرت علی اکبرؑ کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین ع

تھا بُلبُلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین ؛

اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اس طرح ادا کرتے ہین ع

بُلبُل چہک رہا تھا ریاضِ رسولؐ مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترتیب کی ساخت نے دونون شعرون مین کسقدر فرق پیدا کر دیا ہے -

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور اُن کا ہر شعر اس وصف کا مد[illegible] ہے، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

تعریف مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون		قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دو[ن]
ذرّے کی چمک مہرِ منور سے ملا دون		کانٹون کو نزاکت مین گلِ تر سے ملا دو[ن]

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوشخصال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال

ولہ

غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال
اب یان سے ہمکو کوئی ہٹادے یہ کیا مجال

حملہ کرین چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسمان سمیت اُلٹ دین زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور

تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر
پانی مین تھے نہنگ، ابھرتے نہ تھے مگر

فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدار نوجوان
گوشہ امان کا ڈھونڈھ رہی تھی ہر اک کمان

تسلیم کو جھکے ہوے تھے فوج کے نشان
ترکش بھی تھے ہراس سے کھولے ہوے زبان

تیرون کا بیکان تھا ارادہ گریز کا
منہ کند ہوگیا تھا ہر اِک تیغ تیز کا

آگے چل کر کہتے ہین ؎

تب شمر نے کہا کہ فصاحت سے کیا حصول
غازی پکارا او نجس و مرتد و جہول

بیعت اُنھین تو صلح ہمین بھی نہین قبول
لیجو نہ منہ سے نام جگر گوشہ رسولؐ

سمجھا ہے کیا امام عراق و حجاز کو
گُدّی سے کھینچ لونگا زبان دراز کو

تو کیا ہے اور کیا ہے ترا وہ امیر شام
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام

کرتے ہین بادشاہ کہین، بیعتِ غلام
او بے ادب یزید کجا! اور کجا امام!!

دوزخ سے دور رہتے ہین ساکن بہشت کے
کعبہ کبھی جھکا نہین آگے کنشت کے

ماتم ادھر تھا جشن مین تھے اہل شر اُدھر | ولہ | بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر | | روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر

غل تھا کہ بس حسینؑ بہت روئے بھائی کو
کوئی جوان ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہین کوئی تو وغا کو خود آئیے | | حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخم سنان و خنجر و شمشیر کھائیے | | گرمی بڑی ہے آج لہو مین نہائیے

آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُپی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

صابر بڑے ہین آپ تو یا شاہ انس و جان | | اِک بھائی کے فراق مین یہ نالۂ و فغان
رونے سے جی اُٹھینگے نہ عباسؑ نوجوان | | حضرت پکارتے ہین کسے بھائی اب کہان

ملتا ہے کب جہان مین بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجئے۔ وہ شیر مر گیا

اکبرؑ نے کی غضب کی نظر سوے فوج شام | | کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام | | سُنتے ہین آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خون اب تو جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے | ولہ | اکبرؑ ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے
روکے کسے جواب کسے دے کدھر پھرے | ولہ | بجلی کے ساتھ ساتھ کہان تک سپر پھرے
سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا | ولہ | تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا۔ ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل

مفعول، مبتدا، خبر، متعلقات فعل جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے۔ اگرچہ اس مین شبہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے۔ صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سعدی کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشین در من اثر کرد	وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اسکو نثر کرنا چاہین تو نہ ہوسکے اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہرحال اُسکے قریب قریب پہونچ جائے جس قدر اُس کا لحاظ رکھا جائیگا اُسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، ڈھلا ہوا ہوگا۔ اور اُردو مین جہانتک ہم کو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی، نمونہ کے طور پر ہم چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین۔

صغریٰ حضرت امام علیہ السلام سے کہتی ہین۔ ؎

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت	تپ کی بھی ہر شدت مین کئی روز سے خفت
بستر سے مین خود اُٹھکے ٹہلتی بھی ہون حضرت	پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے مُنہ کا بھی مزہ تلخ نہین ہے

	ولہ	
صغریٰ نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان		تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی میری مشکل کرو آسان		جیتی رہی صغریٰ تو نہ بھولیگی یہ احسان

کچھ بات بجز گریۂ وزاری نہین کرتین
امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

حضرت زینبؑ حضرت عباسؑ سے فرماتی ہین ؎

تم سے بڑی امید ہے زہراؑ کی جائی کو
بھیّا المتقین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

حضرت امام علیہ السلام یزیدیون سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین ؎

مجھ کو لڑنا نہین منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جو چھوڑے ہین جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیون نبی زادہ پہ غربت مین جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہین یہ ظلم بُرا کرتے ہو

شمع ایمان ہون اگر سر میرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم مین اُلٹ جائے گا

خولی امام علیہ السّلام کی فوج کی حالت، ابن سعد سے بیان کر رہا ہے ؎

یہ سب غلط سُنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر
کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
ہین اِن مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگامِ دار و گیر

کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھونکی طاقت دکھائینگے
ان سے تو تیغے بھی سنبھالے نہ جائینگے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہ کربلا
مقتل مین کھینچ کر اُنھین لے آئی ہے قضا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین
ان کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دِن نہین

اس قسم کے اور ہزارون اشعار ہین آگے مختلف موقعون پر جو اشعار نقل کیئے جائینگے اُن مین اور دوسری خوبیون کے ساتھ یہ خصوصیت بھی اکثر نظر آئے گی -

روزمرہ اور محاورہ - جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال

مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین، اُن کو روزمرہ کہتے ہین، روزمرہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے، لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہی۔ یہ ظاہر ہو کہ عام بول چال مین وہی لفظ زبان پر آئین گے جو سادہ، صاف اور سہل الادا ہون، اور اگر اُن مین کچھ ثقل اور گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھ کر صاف ہوجاتے ہین۔ ابوالعلا معرّی ایک ملحد شاعر تھا، اُس نے قرآن مجید کا جواب لکھا تھا۔ لوگون نے اُس سے کہا کہ گو یہ کلام بلیغ ہے، لیکن اِس مین قرآن مجید کی سی روانی اور صفائی نہین پائی جاتی، اُس ملعون نے کہا ہان ابھی تو نہین، لیکن جب دو چار سو برس نمازون مین منجھ کر صاف ہوجائیگا تو روانی آجائے گی۔

غرض روزمرہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے۔ میرانیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے، اور اس پر اُن کو ناز بھی تھا چنانچہ فرماتے ہین ؎

مرغان خوش الحان چمن بولین کیا؟
مرجاتے ہین سُن کے روزمرّہ میرا

چونکہ میرانیس کا کوئی کلام روزمرّہ سے خالی نہین ہوتا، اس لئے ہم نمونہ کے طور پر صرف دو چار مثالین نقل کرتے ہین ؎

حشر تک خلق مین یہ ذکر غم انگیز رہا
تو تو سچین کے غلامون سے بھی کچھ تیز رہا

تعریف کرین ڈر کے تو خرسند نہ ہونا
اعدا سے کسی بات مین تم بند نہ ہونا

زینبؑ نے کہا جسمین رضائے شہ عالی
مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے کئے فرزند پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو مرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

زندہ نہ محمدؑ ہے نہ اب عونؑ ہے بیٹا!
تم بھی جو نہ پوچھو تو مرا کون ہے بیٹا!

خادم جدا نہ تھا شہ گردون سریر سے	ولہ	کس جرم پر حضور خفا ہین حقیر سے
کسکی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا ؟	ولہ	بی بی نے دی غلام کو رخصت بجا کیا
کہتے تھے راہ مین نہ کہ وارا پنا چل گیا	ولہ	افسوس ہو کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ کا استعمال

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہو کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ ادا کیے جائین -

لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین - مہیب، پُر رعب، سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین - بعض نرم، شیرین اور لطیف ہوتے ہین - بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے، بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے، اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین، سہل اور لطیف الفاظ استعمال کئے جاتے ہین - قصیدہ مین زور اور شان دار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح رزم، بزم، مدح و ذم، فخر، وادعا، وعظ و پند، ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین، شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین - اور یہ اُن کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے، لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین مین ایک ہی قسم کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہین، اُن کا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل بے اثر ہوتا ہے - یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہین بن سکتی -

میر انیس صاحب نے رزم، بزم، فخر، ہجو، نوحہ، سب کچھ لکھا ہے - لیکن جہان جس قسم کا موقع ہوتا ہے، اُسی قسم کے الفاظ اُن کے قلم سے نکلتے ہین، رزمیہ فخر لکھتے ہین تو فرماتے ہین ؎

طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآب کی | رکھدون زمین پہ چھیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین ؎

کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے
کیا جانے کسنے روکدیا ہے دلیر کو

نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
سب دشت گونجتا ہی پہ غصہ ہی شیر کو

تھا یہ بپھرا ہوا عباس مراشیر جوان
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو

سینۂ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان
روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

دیکھو! ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین، جس طرح اُن کے مفہوم مین غیظ و غضب ہے اسی طرح، الفاظ کی صوت و لہجہ سے بھی، ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔

بحرون کا انتخاب اور حسن قافیہ و ردیف

شعر کی دلاویزی اور دلفریبی کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ ہر مضمون کی مناسب بحرین اختیار کی جائین، فردوسی کی اسی غلطی نے اسکے یوسف زلیخا کو مقبول عام ہونے سے محروم رکھا۔

شاہ نامہ کی بحر رزم کے لئے مخصوص ہے، فردوسی نے عشقیہ واقعات بھی اسی بحر مین ادا کرنے چاہے اور اسوجہ سے ناکام رہا میر انیس سے پہلے مرثیے، اکثر بڑی بڑی بحرون مین لکھے جاتے تھے، مثلاً

ع جب مشک بھر کر نہر سے عباس غازی گھر چلے

ع آپ تو جیتے رہے بابا کا سر کٹوا دیا،

یا نہایت چھوٹی بحرون مین

ع یہ کس منہ سے کہئے کہ وہ تشنہ لب ہے!

میر صاحب نے تین چار بحرین خاص کرلین جن مین چند خصوصیتین پائی جاتی ہین،

ا۔ رزم، بزم، دونون کے لئے موزون تھین، مثلاً یہ بحر، حشر برپا تھا کہ تیغ حُرِ ذیجاہ چلی ۔

۲ - فقرون کی ترکیب اُن مین خواہ مخواہ چست ہو جاتی ہے مثلاً یہ بجز،

ع قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون '

۳ - کانون کو خوش..... معلوم ہوتی ہین -

قدیم مرثیون مین ردیف کا بہت کم التزام ہوتا تھا، قافیہ ہی قافیے ہوتے تھے، میر صاحب نے ردیف کا گویا التزام کر لیا۔ آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہین وہ تو سرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہین ردیف کا کیا ذکر ہے ، شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو، جیساکہ عربی مین ردیف نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، لیکن فارسی اور اُردو مین تو ردیف تال اور سم کا کام دیتی ہے، جس طرح راگ مین تال نہو تو بدمزا ہے، یہی حالت اُردو شعر کی ہے، البتہ ردیف کے التزام کے لیے بہت بڑا قادرالکلام ہونا ضروری ہے، ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قائم نہین رہتی، لیکن اگر یہ خوبی ہاتھ سے نہ جانے پائے تو ردیف سے شعر چمک جاتا ہے، ان دونون شعرون پر غور کرو ؎

ساقیا عید ہے، لا بادہ سے مینا بھر کے		کہ مے آشام پیاسے ہین مہینا بھر کے
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم	ولہ	ایسی نیت پہ بہشت آپ کو، واعظ! معلوم

دونون شعر اپنی اپنی حیثیت سے لاجواب ہین، لیکن پہلے شعر کو ردیف نے کس قدر چمکا دیا ہے۔ بعض جگہ ردیف کی تکرار نہایت لطف پیدا کر دیتی ہے، میر صاحب کے ہان اسکی مثالین بھی کثرت سے ملتی ہین حسن قافیہ و ردیف، و تکرار کی یکجائی چند مثالین ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین ؎

کین صفین صاف گر منہ کی صفائی نہ گئی	ولہ	سیکڑون خون کئے اور کہین آئی نہ گئی
شیطان عمر سعد کی گردن پہ چڑھا ہے	ولہ	بھاگو پسر شیر خدا رن پہ چڑھا ہے
رکتا نہ تھا علیؑ ولی کے پسر کا ہات	ولہ	دو ہو گئے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہات
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھیرا پسر کے ساتھ	ولہ	اس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ

ڈھالون سے پھول لیگئی پھولون سے زر لیا	ولہ	اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیغ زن کے ہاتھ	ولہ	وہ معرکہ رہا اسی گل پیرہن کے ہاتھ
ظالم شکار بن گیا گیہان خدیو کا	ولہ	کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جینیو کا
ماتم ادھر تھا جشن مین تھے اہل شر اُدھر انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر	ولہ	بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر
پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جوہر کھولے ہین یداللہ نے اکثر مرے جوہر	ولہ	مخفی نہین جبریل امین پر مرے جوہر کرار نے دیکھے ہین مکرر مرے جوہر
کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے پانی وہ خود پیئے ہوے تھی گھاٹ گھاٹ کے	ولہ	تنتی تھی کیا تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
بڑھتے تھے جو پرے سے بڑے بول بول کے حملہ کیا جو تیغ دودم تول تول کے	ولہ	پہلے انھین کو مار لیا رول رول کے ہتیار سب نے پھینکدیے کھول کھول کے
شہ کے غضب سے مانگتی تھی ہر کمان امان دیتے نہ تھے کسی کو امام زمان امان	ولہ	مضطر زمین تھی، مانگتا تھا آسمان امان ہر صف مین تھا یہ شور کہ مولا، امان امان

تنسیق الصفات جب کسی موقع پر چند الفاظ ایک وزن یا ایک قسم کے پے درپے آتے ہین تو ایک خاص لطف پیدا ہوتا ہے، میر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین ؎

دوزخ کی زبانون سے بھی آنچ اسکی بُری تھی		برچھی بھی تھی کٹاری بھی تھی سروہی بھی تھی چھُری بھی تھی
موجود بھی ہر غول مین اور سب سے جدا بھی اِک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی ہوا بھی	ولہ	دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی امرت بھی، ہلاہل بھی، مسیحا بھی قضا بھی
کوفہ مین یہی معرکہ دن بھر نظر آیا	ولہ	شمر آیا سنان آیا۔ حُر آیا۔ عمر آیا
سمٹا۔ جما۔ اُڑا۔ اِدھر آیا۔ اُدھر گیا	ولہ	چمکا۔ بھرا۔ جمال دکھایا۔ ٹھہر گیا

چلتی تھی عجب رنگ سے شمشیر قضا رنگ چم خم کا جدا رنگ تھا، کس بل کا جدا رنگ	ولہ	ہر بات میں دکھلاتی تھی اعدا کو نیا رنگ لب سُرخ، دہن صاف، بدن گول ہرا رنگ

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ میں یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب کے کلام میں فصاحت زیادہ ہے اور مرزا صاحب میں **بلاغت**، لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اُسی قدر بلکہ اُس سے زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابوں میں مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہیں اُسکی رو سے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اس لیے فصاحت و بلاغت کو باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب میں بلاغت زیادہ ہے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ فصاحت بھی زیادہ ہے، کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہیں ہوسکتا جب تک اُس کے تمام الفاظ مفردات و مرکبات فصیح نہوں، اگر فصاحت میں کسی قسم کی کمی ہوگی تو بلاغت میں بھی کمی ہوگی، اِس لئے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اسمیں بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم، گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علماے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضاے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو، مقتضاے حال کے موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس میں بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول، ایضاح، وغیرہ میں بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اُسکے جسقدر انواع و اقسام قرار دیے ہیں، وہ نہایت جزئی اور معمولی باتیں ہیں، اِن تصریحات کی رو سے بلاغت اس کا نام ہے کہ مبتدا اور خبر کہاں مقدم لائے جائیں اور کہاں مؤخر؟ کہاں معرفہ ہوں کہاں نکرہ؟ کہاں مذکور ہوں، کہاں محذوف؟ اسناد کہاں حقیقی ہو، کہاں مجازی؟ جملہ کہاں خبریہ ہو، کہاں انشائیہ؟

دو فقرون مین کہان وصل ہو کہان فصل؟ کلام مین کس موقع پر اطناب کیا جائے کس موقع پر اختصار؟ گویا **بلاغت** کا صرف اسقدر فرض ہو کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ مین ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتا دے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئین اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیئے، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جائے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہیئے مثلاً مدح۔ ذم۔ فخر۔ ہجا۔ تہنیت۔ تعریض۔ شوق۔ محبت، ان مضامین سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیرائے ہین؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہیئے؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہین؟ تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہین کرسکتا، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہو نہ الفاظ سے، مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے ثابت کرنے کے لیئے کس قسم کے مقدمات سے کام لینا چاہیئے؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اُسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا؟ اس مین الفاظ کی حیثیت سے بحث نہین ہوتی بلکہ صرف نوعیت استدلال کا لحاظ ہوتا ہے، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال مین واعظانہ مقدمات پائے جائین تو کہا جائیگا کہ خلاف بلاغت ہے، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضاے حال کے موافق کلام کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا اُسکے رتبہ کے خلاف ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چندان تعلق نہین، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جا سکتا ہو، بلاغتِ الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے، اصلی اور اعلی درجہ کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے۔

میر انیس صاحب کے کلام مین بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے، لیکن یہ اُن کے کمال کا اصلی معیار نہین، اُن کے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت مین کھلتا ہو، کربلا کے واقعات، جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویون کا موضوع شاعری ہو، جہانتک تاریخ و روایت سے ثابت ہین نہایت مختصر ہین، لیکن مرثیہ گویون نے اُن مین نہایت

وسعت پیدا کی ہی بعض جگہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا اُس کو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کردیے بعض جگہ روایت مین اُس واقعہ کا نام ونشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کرلیا ہے اور پھر اُس کو اس طرح پھیلا کر لکھا ہے کہ گویا پورا واقعہ من وعن روایتون مین مذکور تھا۔

مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علم ملا تو عون ومحمد کو رنج ہوا کہ یہ ہمارا حق تھا، وہ اپنی مان حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے اُنھون نے سمجھایا کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ کیا بجا کیا" یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے حالانکہ کتب تاریخ مین سرے سے اسکا ذکر نہین یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت حضرت زینب کا آزردہ ہونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہربانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ہونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑکر کیون چلے آئے، اِن تمام واقعات کا تاریخ مین پتہ نہین، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے مین **بلاغت** کا پہلا فرض یہ ہی کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ہو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے اس کا واقعہ ہونا یقینی ہونے کے برابر ہو، اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کیے جائین وہ بالکل مقتضائے حال کے موافق ہون، اور اس طرح بیان کیے جائین کہ واقعہ کی صورت آنکھون مین پھر جائے۔

اس نکتہ کی حقیقت ایک مثال سے زیادہ تر واضح ہوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ مین یہ واقعہ باندھا ہے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ہوے تو جابجا اُن کے حسن وجمال کا شہرہ ہوا، یہان تک کہ بادشاہان وقت نے اپنے اپنے ملک سے مصور بھیجے کہ اُن کی تصویر کھینچکر لائین، حلب کا بادشاہ سب سے زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہونچی تو اُس نے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی، اور حضرت امام حسین کے پاس

پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور انخیر مین لکھا، ؎

اکبر کا بیاہ خالق اکبر کے ہات ہے | بابا کے ہات ہے نہ یہ مادر کے ہات ہے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہراہی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کردیئے، ادھر کربلا کا واقعہ پیش آیا۔ جب بادشاہ کو خبر پہونچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہونچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا، ؎

آئی ہون گھر سے بال پریشان کئے ہوے
دولھا اُٹھو، کھڑی ہے دُلھن سر لئے ہوے

دولھا! تمھاری بیوطنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری خستہ تنی پر نثار مین

دولھا! تمھاری بے کفنی پر نثار مین
دولھا! تمھاری کم سخنی پر نثار مین

مردے کا ذکر کرتے ہین سب شور و شین سے
ہے ہے بیان تمھارے کرون کیا مین بین سے

خوبو سے مطلع نہین مین سوختہ جگر
نتھ، چوڑیان پہننے نہ پائی، مین نوحہ گر

ہے ہے مین اپنے گھر سے نہ آئی تمھارے گھر
جو آج ٹھنڈی کرتی مین صاحب کی لاش پر

حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
ہے ہے بندھا نہ مہر جو بخشون مین آپ کو

دولھا! مین ننگے سر ہون مجھے تم ردا اُڑھاؤ
دولھا! مجھے بھی فاطمہ کے پاس لیتے جاؤ

دولھا! کہان مین بیٹھون ٹھکانا مجھے بتاؤ
دولھا برابر اپنے مری قبر بھی بناؤ

دولھا! مقام شرم ہے دربدر نہ پھرنے دو
پردہ دُلھن کا رکھ لو کھلے سر نہ پھرنے دو

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھکر مرثیہ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے، ؎

کس عادل و منصف کی ہین دون رُو کے دُہائی	ہئے ہئے مرے نوشاہ	
سُنتی ہے دُلھن شکل رنڈاپے نے دکھائی	ہئے ہئے مرے نوشاہ	

یہ تمام قصّہ، بالکل بلاغت اور مقتضائے حال کے خلاف ہی، تمام باتون سے قطع نظر کرکے ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ مین آپ کے عقد مین نہین آئی، اور پھر دولھا، دولھا پکارتی جاتی ہے کسقدر بیمعنی اور لغو ہے -

میر انیس نے سیکڑون ہزارون مرثیے لکھے ہین، اور ہر مرثیہ بجائے خود ایک قصہ یا حکایت ہے، لیکن کوئی واقعہ ایسا نہین لکھا جو اقتضائے حال کے خلاف ہو، عون و محمد کی روایت کا سرے سے کہین پتہ نہ تھا، لیکن جب میر انیس نے اسکو مرثیہ مین لکھا تو تمام لوگون کو اسکی واقعیت کا دھوکہ ہوا، یہان تک کہ اب وہ بطور ایک واقعہ مسلمہ کے تمام مرثیہ گویون کے ہان مختلف پیرایون مین بیان کیا جاتا ہے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ہین باوجود رقت انگیز اور مؤثر ہونے کے، واقعیت کے قالب مین اسقدر ڈھلے ہوے ہین کہ کہین سے اُن پر حرف گیری نہین ہوسکتی -

مرثیون مین جو مضامین قدر مشترک کے طور پر ہین وہ یہ ہین، آمادگی سفر، راہ کی تکلیفات اور صعوبتین، قیام گاہ کا انتظام، دشمنون کی روک ٹوک، معرکہ کی طیاریان، رزم آرائی، رجز، حریفون کا قتال و جدال، دشمنون کی فتح، اہل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر، قید خانہ، دربار کی حاضری -

ان مین سے ہر عنوان کے ادا کرنے کے لئے **بلاغت** کے خاص خاص طریقے ہین، مثلاً **سفر کی طیاری** کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ سفر کے وقت، جو جو واقعات اور حالات پیش آتے ہین اُن کی تصویر کھینچی جائے، سفر کی آمادگی، سواریون کی تقسیم، زادسفر کا انتظام، محملون اور کجاوُن کی طیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بہنون اور عزیزون کی گریہ وزاری، دلدہی اور صبر کے

کلمات، یہ تمام باتین تفصیل سے بیان کیجائین اور اس طرح کی جائین کہ آنکھون کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے، میر انیس نے جہان جہان سفر کا بیان کیا، اِن نکتون کو ملحوظ رکھا ہے۔

دو حریفون کی باہمی معرکہ آرائی کو اس طرح بیان کرنا چاہیئے کہ پہلے دونون کے سراپا، ڈیل ڈول، اور اسلحہ جنگ سجنے کا نقشہ دکھایا جائے، پھر بتایا جائے کہ دونون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، حریف نے حریف پر کیونکر حملہ کیا، کس طرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہات دکھائے، بند کیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ، میر انیس کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین۔ بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب، آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتے ہین لیکن یہ پتہ نہین لگتا کہ دونون حریفون مین سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہین۔

غرض ہر واقعہ اور ہر معاملہ کے بیان کرنے مین بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اسکی تمام خصوصیات اس طرح دکھائی جائین کہ دلون پر وہی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے [سے ہو]تا، میر انیس کے کلام مین عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے، ہم نے اس موقع پر مثالین، اس لئے قلم انداز کین کہ آگے چل کر واقعہ نگاری اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوانون مین جو مثالین آئینگی وہی بلاغت کے لئے بھی کافی ہونگی۔

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان مین جس درجہ و رتبہ اور جس سن و سال کے لوگون کا ذکر آئے، اُسی قسم کے طرزِ خیال اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جائے، بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جسکی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اُسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیتون کو قائم رکھا جائے، میر انیس نے تمام مرثیون مین یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سفر کے وقت محلہ کی بیبیان حضرت زینبؑ کو سفر سے روکتی ہین ؎

سب کہتے ہین زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا
کس طرح چلے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا ؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستہ
وہ دھوپ پہاڑون کی وہ لون اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل مین شبیرؑ چلے ہین
بچّون پہ کرو رحم، کہ نازون کے پلے ہین

ہمسایونکی ہمدردی اور اظہار افسوس کا کیا طریقہ ہے

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچّہ کا سفر ہے
کچھ تم کو پہاڑون کی بھی گرمی کی خبر ہے ؟
غربت مین جوانون کے تلف ہونیکا ڈر ہے
رحم اس پہ ہو لازم کہ یہ بچہ گُل تر ہے
اصغر کو جدا دُکھ ہو، قلق مان کو سوا ہو
گرمی کے سبب دُودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

لے لے کے بلائین یہی سب کرتے ہین تقریر
اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مُسلم کا خط آلے تو کرین کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبر کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

عورتین کیونکر صلاح دیتی ہین۔

یا مثلاً جب حضرت امام حسینؑ اپنی چھوٹی صاحبزادی صغریٰ کو سفر مین لیجانے سے انکار کرتے ہین تو وہ حضرت زینبؑ سے سفارش کراتی ہین ؎

صغرا نے کہا آپکی بانون کے مین قربان
تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی میری مشکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہین کرتین
امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

بچون کے ادائے مدعا کا طرز،

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جائینگی ہمراہ
کیا اُنس کہ ہین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ امان کو نہ بہنون کو مری چاہ
سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

دوسرونکی محبت کا لطف

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
مین قبر مین جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

عاشق مرے مشہور ہین بھیا کے مین واری — دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریۂ وزاری — مین کون ہون؟ سکینہ ہین چچا جان کو پیاری

خاص عزیزون کی شکایت

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت اُن کی مان کی حالت اس طرح بیان کی ہے ؎

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالون کو مادر — دولت مری لٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لخت دل ساقی کوثر — آنکھین بھی جھپکتے نہین اب تو علی اصغر

کیا ہوگیا؟ اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسین ع کی رخصت کے وقت شہربانو فرماتی ہین ؎

کچھ حق مین اس کنیز کے فرماکے جائیے — صاحب! کسی جگہ مجھے بٹھلاکے جائیے

یا مثلاً جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا مین پہونچے اور وہان اُترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینب ع اس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبراکر فرماتی ہین ؎

کیون چلتے چلتے آپ نے یان روک لی لگام — بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام؟

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پر خطر مین اُترنا تو قہر ہے

عورتون کی ضعیف القلبی

جنگل مین ہے بشر کے لئے سو طرح کا ڈر — اُٹھتے ہین بار بار بگولے اِدھر اُدھر
دن کٹ گیا تو ہوئیگی شب کس طرح بسر — لشکر مین غل رہے گا درندون کا رات بھر

بچے بھی مارے ہول کے تر ہین پسینے مین
میرا تو دل ابھی سے اُچھلتا ہے سینے مین

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے ؎

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
جو جو مُحسن ہین اُن سے بھی لازم ہے مشورت
ہے وہ امام واقف اسرار شش جہت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مصلحت

ساحل پہ دشمنون مین کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

یا مثلاً جب امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کو علم دیا ہے تو حضرت زینبؑ، عباس کو مبارکباد دیتے ہوے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سرور اُمم
ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیر غم
تب دونگی تم کو تہنیت عہدۂ علم
کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اسی موقع پر سکینہ مبارکباد کو آتی ہین، تو ان کے صغر سن کے لحاظ سے اِن کی مبارکباد دینے کو کس پیرایہ مین ادا کیا ہے ؎

اتنے مین پاس آکے سکینہ نے یون کہا
عہدہ علم کا تمکو مبارک ہو اے چچا!
چہرہ کی لون بلائین مین صدقے جھکو ذرا
مین نے دعائین کی ہین کہو مجکو دوگے کیا

میدان کا رُخ کروگے کہ دریا پہ جاؤگے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤگے

"جھکو ذرا" کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔
ایک اور موقع پر لکھتے ہین۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے میرے چچا، بابا سے کہہ دو، اب کہین خیمہ کرین بپا

محمل مین گھٹ گئی، مجھے گودی مین لو ذرا ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو، تم پہ مین فدا

سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے

بچون کی بول چال سے قطع نظر یہ دیکھو کہ بچون کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے، بچون کی مدعا طلبی کا بڑا آلہ طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے، ع تم تو ہوا مین ہو مری حالت خراب ہے،

ایک اور موقع پر جب حضرت عباسؑ لڑنے کے لئے چلے ہین، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہین، تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کے لئے آتی ہین، اور بچپن کے ناز سے کہتی ہین۔

خیمہ مین ہوا غل کہ چلے حضرت عباس گھبرا کے سکینہ نے کہا تب بہ بصد یاس

سب بولے کہ لو اد رہی سرد ہوئے بے آس کیا کہتے ہو تم، مجکو تو جانے دو چچا پاس

منہ شہ سے وہ موڑینگے نہ مانونگی کبھی مین
عمو مجھے چھوڑینگے، نہ مانون گی کبھی مین

عباسؑ پکارے مین اس آواز کے قربان دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان

ہم جاتے ہین پانی کے لئے، آؤ میری جان مین گھر سے تمھین جانے نہ دونگی کسی عنوان

بابا کا مرے کوئی مددگار نہین ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہین ہے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے اور لوگ بدحواس ہو رہے ہین، حضرت عباس کی زوجہ نے یہ خبر نہین سُنی ہے، لیکن قرینون سے اُن کو شبہہ ہوتا ہے اُن کے بدحواسانہ استفسار کو یون ادا کیا ہے ؎

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ کیون بی بیو! کیا ہوگئے بچے مرے بے آس
کیا کہتے ہین شاہِ شہدا؟ کس سے ہوئی یاس ای وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس

کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا مُنہ دیکھ کے کیون روتے ہو لوگو

اس مصرعہ مین ع اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس، کس قدر ایثار نفس کا خیال ظاہر کیا ہے، یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہین بلکہ اس وجہ سے ہی کہ وہ سکینہ کے لیے پانی نہ لاسکے اور اُن کی پیاس نہ بجھا سکے۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبر نے مان سے اجازت لیکر میدان جنگ مین جانے کا ارادہ کیا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، اُس وقت حضرت زینبؑ فرماتی ہین ؎

زینبؑ نے کہا جس مین رضائے شہ عالی مین نے تو کوئی بات نہین منہ سے نکالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے، مان سے تو رضا لی مالک ہین وہی مین تو ہون اک چاہنے والی

صدقے گئے فرزند، پھوپی سوگ نشین ہے
سمجھین تو مرا حق ہے نہ سمجھین تو نہین ہے

بچپن مین یہ کاہے کو مری چھاتی پہ سوئے کب جاگی مین تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہین کی، گیسوے مشکین نہین دھوئے ان کے لئے کب مین نے یہ سر ہاتھ سے کھوئے

کیون روتے ہین یہ کس لئے حضرت کو قلق ہی
حق دار مین کا ہے کو مرا کون سا حق ہے

حضرت علی اکبرؑ کو حضرت زینب ہی نے پالا تھا، اور وہ اُن کو اپنے بچون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین، حضرت علی اکبر بھی ہر بات مین اُنھی کا مُنہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ مین جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دینگی، اِس لئے

اُنھون نے پہلے اپنے مان باپ سے اجازت لی ہے کہ اور لوگ اجازت دیدین تو حضرت زینبؑ سے درخواست کرنے کے لئے سند ہاتھ آئے۔ اتنے مین حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپی سے بھی تو اجازت لو، وہ بھری ہوئی بیٹھی تھین، اُن کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

یا مثلاً جب یزید کی بیوی ہند نے قیدخانہ مین اہل حرم کے دیکھنے کے لئے جانا چاہا ہے تو لونڈیون اور پیش خدمتون کی تقریر کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

سب عورتون کو لیکے چلی جب وہ حق شناس کپڑے یہ منگیجے ہین، بدل ڈالیئے لباس	کہنے لگین یہ تب جو کنیزین تھین آس پاس اُس نے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجوم یاس

اِک دم مین سوگوارون کو مین دیکھ آتی ہون
کیسا لباس، کیا کسی شادی مین جاتی ہون

جب وہ قیدخانے کے دروازہ پر پہونچی ہے تو ؎

بڑھ کر کسی کنیز نے، تب یہ کیا بیان چلئے محل مین آپ بھلا جائین گی کہان	بی بی کوئی اسیرون مین زندہ نہین ہر یان قابل نہین حضور کے جانے کے یہ مکان

گر غش ہوئی تو آپ مین آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نہ جائے گا

لونڈیان ہند کو قیدخانہ مین جانے سے روکنا چاہتی ہین، اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے پہلے تو یہ کہا کہ یہان کوئی زندہ نہین، پھر یہ کہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہین پھر اس مین مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نہ جائیگا۔

اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ مین اس طرح باندھا ہے کہ دربانون نے اس خیال سے کہ قیدخانہ مین امام زین العابدینؑ بھی ہین اور وہ غیر محرم ہین، اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ہے ؎

یا تو بیمار کی آنکھین اُسیرا بند کرین	یا ہم آکر کسی حجرہ مین جُدا بند کرین

تیدی ۱۲

غور کرو، لونڈیون اور پیش خدمتون کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانون کی تحقیرانہ فرمایش کسقدر دلدوز ہے، کہ یا تو زین العابدینؑ کی آنکھین بند کردو، یا ہم آکر کسی حجرہ مین اُن کو بند کردین۔

یا مثلاً جب حُر نے اپنے بھائی، بیٹے، اور غلام سے مشورہ کیا ہے کہ کس کا ساتھ دینا چاہیئے، تو اُنھون نے یون جواب دیا ہے ؎

بیٹے نے کہا، شہ کی غلامی ہے سعادت	آنکھون سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت	کچھ ڈر نہین بس آج سے کی ترک رفاقت

مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑین ہم
کیا خوب! محمدؐ کے نواسے سے لڑین ہم

عبد حُر غازی نے کہا تول کے شمشیر	گر لاکھ ہون جانین تو نثار سر شبیرؑ
دنیا مین نہوگا عمر سعد سا بے پیر	کہیئے تو کرون اُسکے مٹا دینے کی تدبیر

حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلیئے
اُس فوج مین چلیئے، تو اسے مار کے چلیئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہین بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہیئے تو کرون اسکے مٹا دینے کی تدبیر، یہ وہی غلامانہ انداز گفتگو ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف نہین منسوب کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج مین چلیئے تو اسے مار کے چلیئے۔

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ میدان جنگ کو جا رہے ہین، تو اُن کی زوجہ حضرت شہربانو سے کہتی ہین ؎

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار	ہم کو تباہ کرتے ہین عباس نامدار

ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار | کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت ہیں نثار

کہئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، اخیر میں کہتی ہیں ع بی بی میں کیا کروں میرے بچے صغیر ہیں، دیکھو بیقراری کی معذرت میں کسقدر حسرت بھری ہوئی ہے، حضرت عباسؑ نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو ان کو روکا ے

عباسؑ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار | ہوتا ہے تیر غم جگر نا توان سے پار
روتے ہیں خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار | شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبر زہراؑ کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباسؑ حضرت امام حسینؑ کے اصرار اور امتثال امر کی بنا پر، دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباسؑ کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے

شجاعانہ حسرت

کہتے تھے راہ میں کہ نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہات سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباسؑ نے جب حضرت امام حسینؑ سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو، ے

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا | زینبؑ جہاں کہیں وہیں خیمہ کر دبیا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا | جا کر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا

سعادتمند چھوٹا بھائی کس ادب سے بڑی بہن سے خطاب کرتا ہے۔

حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کہاں ہو خیمہ اقدس حضور کا؟

یا مثلاً حضرت زینبؑ نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لئے بھیجا ہے

تو وہ جا کر مؤدبانہ طریقہ سے حضرت عباس سے کہتے ہین ع چلئے پھوپی نے یاد کیا ہے حضور کو"
یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ فوج کا علم کسکو دیا جائے تو حضرت عباس کی بیوی
اپنے شوہر کا استحقاق اس طرح بیان کرتی ہین ؎

خادم شہ دین کے ہین تو عباس علی ہین	اس عہدے کے لائق جو اگر ہین تو وہی ہین

"درجو اگر" غلط ترکیب ہے لیکن مستورات کی زبان کی بعینہ نقل کر دینے نے وہ بات پیدا کر دی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہین ہو سکتی تھی'

اس قسم کی صدہا مثالین ہین۔

بلاغت کا ایک نازک موقع وہان پیش آتا ہے جہان حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو، اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اسکے مقابلہ مین فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے اور شان و شوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال کے خلاف ہوتا ہے' ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونون مشکلون سے عہدہ برا ہوتے ہین اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہین، اس کا اندازہ ذیل کی مثالون سے ہوگا

بالا قد و کلفت، وتنومند و خیرہ سر	روئین تن و سیاہ درون، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے، ترکش اجل کا گھر	تیغین ہزار ٹوٹ گئین جس پہ وہ سپر

دل مین بدی، طبیعت بد مین بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اسکے اور اسی قد و قامت کا ایک یل	آنکھین کبود، رنگ سیہ، ابروؤن پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پر دغل	جنگ آزما، بھگائے ہوئے لشکرون کے دل

بھالے لئے، کسے ہوئے کمرین ستیز پر
نازان وہ حرب گرز پہ، یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

نکلا یہ سن کے غیظ میں اک پہلوان روم
سرہنگ و پرغرور و سیہ قلب و نحس و شوم
گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
لنگر سے جس کے ہل گئی مقتل کی مرز و بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا

چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کی جام
موذی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام
تھرائے سام، خوف سے کاندھے پہ حسام
کھاتا تھا لاکھ بل، جو کوئی لے علیؑ کا نام
گئن راسقر کے قعر کا پتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

ٹکرے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاو سر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر
پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ، بر میں بدگہر
منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
دستانے دو تو دست تعدی پسند پہ
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پہ

ایک اور موقع پر

نکلا ادھر سے بہر وغا ایک روسیاہ
کاندھے پہ گرز، بر میں زرہ، خشمگیں نگاہ
زور آور و تہمتن، و مغرور، و کینہ خواہ،
سر پر مثال قبضۂ تیغ آہنیں کلاہ،
آمد شقی کی تھی کہ رواں رود نیل تھا
ہیبت میں تھا جو دیو تو ہیکل میں پیل تھا

واقعات کے بیان میں بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ہے کہ کہیں سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پائے، جب کوئی واقعہ مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ہے تو ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اکثر بیان کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے، یا زائد اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زبردستی

ایک واقعہ کا دوسرے سے پیوند لگایا ہے۔ مرزا دبیر صاحب کے کلام مین اسکی مثالین کثرت سے ملتی ہین، میرانیس کے اکثر مرثیے، بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ہین یہان تک کہ اگر اُن پر الگ الگ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر واقعہ ایک جداگانہ مرثیہ کا موضوع ہے لیکن تسلسل بیان کا یہ اثر ہے کہ تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ہین جسکی تمام کڑیان آپس مین ملی ہوئی نظر آتی ہین۔

مثلاً حُر کا ایک مرثیہ لکھا ہے۔ اسمین حسب ذیل مضامین بیان کیے ہین۔

حُر کی مدح وصفت۔ امام علیہ السلام اور اہل بیت کا میدان جنگ مین آنا۔ دونون طرف کی طیاریان۔ حضرت امام حسین کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر۔ عمر بن سعد کا حر کیطرف مخاطب ہونا اور دونون کے سوال وجواب۔ حُر کا امام حسینؑ کی طرف رُخ کرنا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بزرگانہ استقبال۔ حُر کی عفو خواہی اور امام حسین علیہ السلام کا عفو وکرم۔ حُر کا جنگ کے لیئے اجازت طلب ہونا۔ میدان جنگ مین جانا اور شہید ہونا۔ مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حُر کے پاس پہونچنا اور نزع کی گفتگو۔

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول دیکر لکھا ہے، اس لیئے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہین کیا جا سکتا، ہم صرف اُن موقعون کے اشعار نقل کرتے ہین جہان جہان ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے۔

مرثیہ حُر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہین ؎

وصف حر مین ہر زبان معترف عجز و قصور	آمد آمد کی بہادر کا کرون اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہِ مقہور	مہر افلاک امامت نے کیا رن مین ظہور

غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اسے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے

ہوگئے سُرخ شجاعت سے رُخِ آلِ نبی	آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی

رن مین کڑکا ہوا بجنے لگے باجے غربی — ایکہ تازون نے کیا شور مبارز طلبی

ایک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ رنگی
برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

برچھیان تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے — نیزے ہاتھون مین سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلون مین کماندار بڑھے — بولے شہ یان سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے

یہان سے امام حسینؑ کا وعظ دلنقین کیطرف اگریز ہے

اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہین
مین نبی زادہ ہون سبقت مجھے منظور نہین

یہ سخن کہکے مخاطب ہوے اعدا سے امام — اے سپاہ عرب و مصر و رے کوفہ و شام
تم یہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام — پسرِ مصحف ناطق ہون سنو میرے کلام

سخن حق کی طرف کانون کو مصروف کرو
شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسینؑ کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اسکے بعد عمر بن سعد اور حر کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال وجواب کا بیان کرنا تھا، اس کے لئے ربط کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسینؑ کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی۔ یہان تک کہ عمر بن سعد نے حُر کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے، اُس نے کہا امامؑ بالکل سچ کہتے ہین۔ اس طرح دونون مین تکرار اور رد وکد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اِس موقع کے اشعار یہ ہین ؎

شہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی ظالم کی سپاہ — عمر سعد نے کی مُڑکے رُخ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ سچا کہتے ہین شاہ — محسن و منعم و آقا ہے مرا وہ ذیجاہ

اُن کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخن حق مین جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

دونون مین دیر تک ردّ و قدح ہوتی رہی، اب اس واقعہ کے بیان کرنے کا موقع آیا کہ حُر نے امام حسینؑ کی طرف رُخ کیا اور اُن سے جا کر مل گیا، اس کو یون ادا کیا کہ عمر ابن سعد حُر سے کہتا ہے کہ خبردار! اگر تو نے اُدھر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کر دینگے اور تیری جان پر آفت آ جائے گی، حُر جواب دیتا ہے ؎

عمل خیر سے بہکا نہ مجھے اے ابلیس
کیا مجھے دیگا ترا حاکم ملعون و خسیس
وہی کونین کا مالک ہے وہی راس و رئیس
کچھ تردد نہین کہدے کہ لکھین پرچہ نویس
ہان سوے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہون
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہون

کھنچکے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
تن کے دیکھا طرف فوج امام ابرار
سرخ آنکھین ہوئین ابرو پہ بل آیا ایکبار
پائون رکھنے لگا تن تن کے زمین پر رہوار
غل ہوا سید والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسین ابن علی جاتا ہے

کیا دو تین سالون نے تعاقب ہر چند
کتنے تھے ہاتھ مین وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند
حر کا ہاتھ آنا تو کیسا؟ نہ ملی گرد سمند
یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند
آگیا سبک سوے چمن باد بہاری پہنچی
ہم یہین رہ گئے، وان حُر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسینؑ نے عباسؑ علمدار کو حُر کے استقبال کو بھیجا، اسکی تقریب یون پیدا کی ہے ؎

یان ہوے علم امامت سے شہ دین آگاہ
میرے لشکر کی طرف ہے رُخ حُرِ ذی جاہ
ہنسکے عباس سے فرمایا کہ اے غیرت ماہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہمان میرا عاشق مرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حُر کی معذرت خواہی حضرت امام حسین ع کا عفو، پھر حر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور پُر اثر طریقہ سے ادا کیا ہے۔ پورا مرثیہ پڑھو اور جہان جہان ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلۂ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبی سے ایک لڑی مین پرو دیا ہے۔

بلاغت کی جُزئیات - بلاغت کے جُزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورۃ ہین اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اُن کی کلیات مشکل سے قائم ہو سکتے ہین، چند مثالون سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

مثال ۱ - جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و اقارب و رفقا شہید ہو چکے ہین تو اتفاق سے ایک راہرو کا ادھر گذر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنون کی بیرحمی کی داستان سنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپکا صورت شناس نہ تھا، لیکن قرائن سے اُسکو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہین بالآخر اُس نے کہا کہ ع

اظہار اسم اقدس و اعلی مین کیا ہے باک"

آپ نے جو کچھ اور جس طرح جواب دیا اسکو اس طرح ادا کیا ہے ؎

یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون		مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسین ع ہون

اس شعر مین بلاغت کے جو نکتے ہین صرف مذاق صحیح ان کا احاطہ کر سکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان مین آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہین۔

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسین ع اپنا نام اس حیثیت کے ساتھ بتائین جس سے کسی قدر شرف و فضیلت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہین جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اس پر اکتفا کرتے ہین کہ مین حسین ع ہون، لیکن چونکہ مستفسر قرائن سے اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ

محض نام لینے سے بھی غالبًا پہچان لیگا، اور اس لیے حسینؑ کہنا بھی گویا اپنے آپ کو امام کہنا ہے، اس بنا پر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لئے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہین اور شرم سے آپ کی گردن جھک جاتی ہے اس بنا پر شاعر کہتا ہے کہ ع مولا نے سر جھکا کے کہا مین حسین ع ہون ⁂ لیکن شاعر کو جو امام حسین علیہ السلام کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہین ہوتا کہ آپکا نام اس سادگی سے لیا جائے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپکو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھ خود ستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا، جس طرح رسول اللہ اپنے آپ کو رسول اللہ کہتے تھے اور یہ خود ستائی نہین خیال کیجاتی تھی، شاعر کے دل مین حسرت ہے کہ کاش امام نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا، اِس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہین کہا کہ شہ مشرقین ہون، تاہم اس سے یہ خیال بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا یہی اقتضاء تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے۔

اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہین جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اس طرح باندھا ہے ع فرمایا مین حسین علیہ السلام ہون،

میر انیس اور میرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے، اُس کے فیصلے کے لئے دونون کے صرف یہ دونون مصرعہ کافی ہین،

مثال ۲ - میدان کربلا مین امام علیہ السلام یزیدیون سے پہلے پہونچے تھے، اور نہر فرات کے قریب اُترے تھے، یزید کی فوج پہونچی تو رئیس فوج نے امام علیہ السلام کی فوج کو وہان سے ہٹا دینا چاہا اور کہا کہ ؎

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہین اِدھر	ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر

اُن کی آمادگی اور شرارت دیکھ کر امام علیہ السلام کے رفقا برہم ہوئے، اس موقع

کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں، ؎

بگڑے ابو ثمامہ و سعد فلک سریر
جوڑا کمان میں ابن مظاہر نے ایک تیر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں شریر

عابس کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا
غصہ سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

الٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین
بولے پکڑ کے پیچھے زینب کے مہ جبین
قبضہ پہ ہات رکھ کے بڑھے اکبر حسین
شیروں سے کیا ترائی کو لے لینگے اہل کین

ابو ثمامہ۔ سعد۔ زہیر قین۔ اسد۔ عابس حضرت امام حسین کے رفقا میں سے تھے، حضرت قاسم بھتیجے، حضرت علی اکبر صاحبزادے، اور حضرت زینب کے صاحبزادے آپ کے بھانجے تھے، اس موقع پر بلاغت یہ ہے کہ جن لوگوں کو جسقدر امام علیہ السلام سے قرب تھا، اسی نسبت سے اُنکی طیش و آمادگی جنگ کی حالت دکھائی ہے ابو ثمامہ اور سعد بگڑ کر رہ گئے، اسد نے کہا کہ یہ زجر کے قابل ہیں، عابس کو غصہ آگیا، ہلال کے ابرو پر بل پڑ گئے زہیر قین نے تلوار تول لی، حضرت قاسم نے آستین الٹی، حضرت علی اکبر تلوار کے قبضہ پر ہات رکھکے آگے بڑھے، زینب کے صاحبزادوں نے پیچھے سنبھال لئے، اس فرق مراتب کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔

مثال ۲۳، جب تمام اعزہ اور احباب شہید ہو چکے اور صرف علی اکبر کا دم باقی رہ گیا تو دشمنوں نے چاہا کہ امام علیہ السلام ان کو بھی میدان جنگ میں بھیجیں، تاکہ بیٹا باپ کی آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں ملا دیا جائے، اس غرض سے انھوں نے اس طرح امام حسین علیہ السلام کو مخاطب کیا ؎

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہ دین پناہ
عباس سا تو آپ کا کوئی ہوگا نہ خیر خواہ
باقی ہے اور کوئی کہ بس ہو چکی سپاہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ

چھٹنے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچایئے گا کلیجہ کو داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباس نامدار
حضرت کا صبر و شکر ہے عالم پہ آشکار
اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
مثلِ خلیل کیجیے فرزند کو نثار

آہیں نہ بھریئے بیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغ پسر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے، نورِ نظر ہے اور
بازو کا درد اور ہے، دردِ جگر ہے اور
سینہ کا زخم اور ہے، درد کمر ہے اور

گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجیے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجیے

دشوار ہے اگر غم فرزند نوجوان
مشتاق تیر ہیں تبر و خنجر و سنان
مرنے کو آپ آیئے اے قبلۂ زمان
جان اپنی دیجیے جو ہے پیاری پسر کی جان

اصغر سے کچھ غرض ہے نہ اکبر سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

ان تمام اشعار میں دشمنوں کی طنز، تعریض، اور لاگ دلا کر علی اکبر کے بھجوانے کو کس بلاغت کے ساتھ ادا کیا ہے، طنز کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ اسمیں واقعیت کا پہلو موجود ہو، کیونکہ سچا طعنہ نہایت سخت اثر کرتا ہے، یہ امر کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہوتا ہے ایک بدیہی بات ہے، پھر اس دعوے کو متعدد تمثیلوں سے اور زیادہ قطعی کر دیا ہے، یعنی بازو کے درد کو جگر کے درد سے کچھ نسبت نہیں جسم کی طاقت پر آنکھوں کی بصارت کو ترجیح ہے، سینہ کے زخم سے کمر کے درد کو کیا نسبت ہے،

امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو حضرت علی اکبر سے پہلے میدان جنگ میں

بھیجدیا تھا، تو اس وجہ سے بھیجدیا تھا کہ عباس کسی طرح گوارا نہین کرتے تھے کہ اُن کے ہوتے علی اکبر پر آنچ آجائے، لیکن دشمن اسکی وجہ یہ بتاتے ہین کہ بیٹا بھائی سے زیادہ عزیز ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام حسین کی یہ لڑائی دینداری پر مبنی نہین ہے، ورنہ خدا کی راہ مین بیٹے اور بھائی کی کیا تمیز تھی، بلکہ بیٹے کو خدا کی راہ مین پہلے نثار کرنا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، پھر یہ بڑھا وا دیتے ہین کہ آپکا صبر او شکر مسلم الثبوت ہے بیٹے کے لئے یہ بیقراری کیون ؟ ان طنزیہ فقرون ہین جن الفاظ سے امام علیہ السلام کو خطاب کیا ہے بالکل تعریض سے بھرے ہوے ہین۔ شاہ دین پناہ۔ قبلۂ زمان۔ سر انور۔ ان سب الفاظ کے معنی کہ آپ اپنے کو ایسا سمجھتے ہین۔

مثال ۴، واقعۂ کربلا کے بعد جب اہل بیت یزید کے دربار مین گئے ہین تو یزید نے اُن سے اس طرح خطاب کیا ہے ؎

تخت کے سامنے روتے ہوے آئے جو اسیر	دیکھ کر سید سجاد کو بولا وہ شریر
سرکشی کرکے نہ سر بر ہوئے مجھ سے شبیر	شکر کرتا ہون کہ خالق نے کیا تمکو حقیر

بیٹھنے کا کہین دنیا مین سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمھارا نہ رہا

ہان کہو آج حمایت کو پیمبر ہین کہان	کیا ہوے ابن علی، حیدر صفدر ہین کہان
قید مین اُنکی بہو آئی ہے شبر ہین کہان	ننگے سر زینب دلگیر ہے سرور ہین کہان

ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کسکا ہے
اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کسکا ہے

ان اشعار مین یزید کے کفر و ارتداد کو ایسے بلیغ اور لطیف پیرایہ مین ادا کیا ہے جس سے زیادہ خیال مین نہین آسکتا، یزید کو تسلیم ہے کہ سید سجاد یعنی امام زین العابدین اور اہل حرم نہال نبوت کے شاخ و برگ ہین، وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اُن کا جو کچھ زور ہے

وہ جناب رسالتپناہ اور آل عبا کے بل پر ہے! باوجود اس کے اس بات پر مسرت ظاہر کرتا ہے کہ ان کا زور نہین رہا، جس کے یہ معنی کہ اس کو خود رسول اللہ کے دُنیا مین نہ رہنے کی خوشی ہے، اس پر بھی اکتفا نہین کرتا، بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ رسولؐ اللہ کہان ہین ؟ حسینؑ کہان ہین ؟ علیؑ کہان ہین ؟ حسنؑ کہان ہین ؟ ان سب پر طرہ یہ کہ ان باتون پر خدا کے احسان کا ممنون ہے کہ اُس نے اہل بیت کو خوار و حقیر کیا، گویا یہ امر خود خدا کو پسند اور مرغوب تھا۔ اخیر کا مصرع اک ذرا غور سے دیکھو کہ یہ سر کس کا ہے، بلاغت کی جان ہے بغور سے دیکھنے کی فرمائش اسلیے ہو کہ امام زین العابدین کے نزدیک حسین اس پایہ کے شخص تھے کہ اُن کے سر کا کاٹا جانا، اور یزید کے دربار مین حاضر کیا جانا عقل مین نہین آسکتا، اس لیے کہتا ہے کہ شک ہو تو ذرا غور سے دیکھو، ذرا کا لفظ اور زیادہ بلیغ ہے۔

مثال ۵، سہ

نظارہ تھے سُن کے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی پہ نہ حُر نے کیا سلام
چین بر جبین قریب گیا حُرّ نیک نام
کافر سے کیا جھکے وہ خدا سے ہو جسکو کام

چین بر جبین قریب جو وہ شیر نر گیا
اللہ رے رعب حق پسر سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُرّ نامور
کتنے جوان صفون مین ہین کتنے ہین نہر پر
رن مین سوار تیرے رسالہ کے ہین کدھر
حُر نے کہا کہ مجھ کو کچھ اس کی نہین خبر

دنیا مین زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے
مین ہون کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

کہنے لگا یہ حر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سر بر نہ ہونگے ہم سے کبھی سرور حجاز
مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعد فتح اور بھی ہوگا تو سرفراز

دیر اس مین کیا جو امر قریب الوقوع ہو
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

جو اس مین تیری راے وہی ہی مجھے پسند
تھوڑے بہت ہین یاور سلطان ارجمند
پانی تو تین دن سے ہی پردلیون پہ بند
پس جائینگے اُٹھائے سوارون نے جب کمند

لشکر مین یان چھ لاکھ دلاور جوان ہین
وان ایک صف ہے جس مین بہتر جوان ہین

آمادہ قتل شاہ پہ ہین سب جوان و پیر
کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر
کٹتا ہے اب سرِ پسرِ شاہِ قلعہ گیر
حر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر

انسان کو اختیار ہے خود اپنے کام مین
مجھکو شریک کرتا ہے قتلِ امام مین

یہ وہ موقع ہے کہ حُر جو یزید کے رسالہ کا افسر تھا، اس بات پر آمادہ ہو چکا ہے کہ یزید سے ٹوٹ کر امام علیہ السلام کی فوج مین آجائے، یہ خبر سپہ سالار یعنی ابن سعد کو پہونچی تو وہ حر کو طلب کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ اسکو رام کرکے اس ارادہ سے روک لے، باوجود اس کے کہ حر کے ارادہ کی خبر سُن چکا ہے اور جب حر اسکے سامنے گیا تو سلام تک نہ کیا، تاہم ابن سعد اس تجاہل عارفانہ سے پیش آتا ہے کہ گویا اس کو اس واقعہ کی مطلق خبر نہین، بالکل خالی الذہن ہو کر پوچھتا ہے ع رن مین سوار نیرے رسالے کے ہین کدھر، حُر نہایت بے پروائی اور گستاخی سے جواب دیتا ہے، ابن سعد اسکو بھی نظرانداز کرتا ہے اور اس بھرے پر چڑھاتا ہے کہ یزید کو مدت سے تیری وفاداری پر ناز ہے، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا ہے کہ امام علیہ السلام کسی طرح اس معرکہ مین کامیاب نہین ہو سکتے، پھر کس استمالت سے کہتا ہے کہ ؎

ع تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو،

ع جو اس مین تیری رائے وہی ہے مجھے پسند،

ع کیون برچھیان حسینؑ پہ پہلے چلین کہ تیر،

گویا کوئی کام حر کے مشورہ کے بغیر کرنا نہین چاہتا، اسکے ساتھ یہ ثابت کرتا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام کی فوج نہایت کم ہے، کُل ایک صف ہے اور اسمین بھی صرف بہتر جوان ہین، امام سے لڑنے کے لئے کہتا ہے لیکن اُن کا نام جب لیتا ہے تو کبھی سرورِ حجاز، کبھی سلطان ارجمند، کبھی شاہ کے لفظ سے خطاب کرتا ہے، یہ بھی استمالت کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اگر صاف صاف امام علیہ السلام کی بُرائی کیجائے تو ڈر ہے کہ حُر بالکل ہتے سے اکھڑ جائے۔

مثال ۶،۷

رخصت طلب ہو شاہ سے اکبر سا لالہ فام تُند رو سکئے نہ اب اے خواہر امام،	شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام

بیکس ہون ساتھ مان نہین، سر پہ پدر نہین
مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت زینب کے دونون صاحبزادے شہید ہو چکے ہین اور حضرت عباسؑ میدان جنگ مین جانا چاہتے ہین لیکن حضرت زینبؑ روکتی ہین حضرت عباسؑ منّت اور لجاجت کرتے ہین کہ للّٰہ نہ روکئے۔

اسکے لیے کسقدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، اول تو اُن کو خواہر امام سے مخاطب کیا ہے حالانکہ وہ حضرت عباسؑ کی بھی بہن تھین، اس سے علاوہ اس کے کہ اُن کا احترام مقصود ہے خفیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ آپ کو مجھ سے وہ محبت نہین جو حقیقی بھائی بہن مین ہوتی ہے، اور چونکہ درحقیقت حضرت زینبؑ اُن کی حقیقی بہن نہ تھین یہ تعریض زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر فرماتے ہین کہ مین بیکس ہون، نہ باپ سر پر ہے نہ مان ساتھ ہے، سب سے کارگر یہ فقرہ ہے کہ ع مین آپ کا غلام تو ہون گو پسر نہین، یعنی اگر آپ کا

فرزند ہوتا تو مجھکو بھی اسی طرح اجازت دیتین جس طرح اپنے صاحبزادون کو دی اور اُنھون نے شہادت کی دولت حاصل کی۔

مثال ۷، ص

بیکس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے	تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ سے روانہ ہو رہے ہین، تمام خاندان کو ساتھ لیا ہے، لیکن صغریٰ کو باوجود اس کے کہ آپ کی چہیتی بیٹی تھین، بیماری کی وجہ سے ساتھ نہین لیجاتے، صغرےٰ نہایت گریۂ وزاری کرتی ہین اور ایک ایک سے سفارش کراتی ہین کہ مجھ کو بھی ساتھ لیتے چلئے، لیکن کوئی ہامی نہین بھرتا، اُس وقت علی اصغر سے جو شش ماہہ بچے تھے خطاب کر کے کہتی ہین کہ اسوقت میرا اور کوئی مددگار نہین ہے، ایک تم ہو لیکن افسوس تم کو بولنے کی طاقت نہین، تمام لوگون سے مایوس ہو کر ایک بچہ کا سہارا ڈھونڈھنا اور پھر یہ خیال کہ وہ بولنے کے قابل نہین، انتہا درجہ کی حسرت اور ناکامی کی تصویر ہے۔

مثال ۸، ص

استغاثہ یہ کیا حر نے جو با دیدۂ نم خود بڑھے ہاتون کو پھیلا کے شہنشاہ اُمم	جوش مین آگیا اللہ کا دریا ے کرم حر کو یہ ہاتف غیبی نے صدا دی اسدم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہین
اے برادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہین

اخیر شعر مین امام حسین علیہ السلام کا نام جس سادگی سے لیا ہے، کمال بلاغت ہے، اس موقع پر اگر بہت سے اوصاف کے ساتھ اُن کا نام لیا جاتا تو یہ بات حاصل نہ ہوتی، جب کوئی شخص کمالات و فضائل مین انتہا کے رتبہ تک پہونچ جاتا ہے تو اُس کے نام لینے کے ساتھ اس کے تمام اوصاف اور کمالات خیال مین آجاتے ہین ان کے سادہ نام لینے سے

اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے، نظامی نے بھی اس موقع پر اس اسلوب کو برتا ہے، دارا نے
جب سکندر کو خط لکھا ہے تو سکندر کے دعوائے ہمسری پر نہایت تعجب اور افسوس ظاہر کیا
ہے، اس موقع پر کہتا ہے، ؎

فلک بین چہ ظلم آشکارا کند	کہ اسکندر آہنگ دارا کند

دارا نے یہ فرض کیا ہے کہ سکندر کی حقارت اور میری جاہ وعزت اسقدر مسلم عام ہے
کہ صرف دونون کا نام لینا کافی ہے، چنانچہ کہتا ہے کہ آسمان کا یہ ظلم دیکھو! کہ سکندر دارا کے
مقابلہ کا قصد کرتا ہے، لیکن یہان اس طرز بیان کا موقع نہ تھا، اس لیے سننے والون پر
کچھ اثر نہین پڑتا۔ دارا کے زمانہ مین ممکن ہے کہ یہ حالت رہی ہو، لیکن آج سکندر کی عظمت
وشان اسقدر مسلم ہے کہ سکندر کے محض نام لینے سے اسکی حقارت کا تصور نہین ہوتا، اسلئے
شاعر (نظامی) کو چاہیئے تھا کہ وہ اور واقعات سے پہلے سکندر کی ذلت اور حقارت ثابت
کرتا، تب یہ طریقۂ بیان مؤثر ہوتا، یہی موقع فردوسی کو بھی عرب وعجم کے مقابلہ مین پیش آیا،
چونکہ فردوسی بلاغت کے تمام اصول سے واقف تھا اُس نے سمجھا کہ گو اُس زمانہ مین عرب
کی وہی حالت تھی، لیکن جس زمانہ مین خود فردوسی موجود ہے وہ حالت بدل گئی ہے، یعنی
عرب کی عظمت تمام قلوب پر چھائی ہوئی ہے، اس لئے محض عرب کے نام لینے سے سامعین
کے دل مین عرب کی حقارت اور ذلت کا خیال نہین آسکتا، اس لیے اُس نے پہلے یہ بیان
کیا کہ عرب اونٹ کا دودھ اور گوہ کا گوشت کھایا کرتے تھے، اِس طرح اُس نے عرب کی
قدیم حالت کی تصویر کھینچ دی اور چونکہ بیان واقعی تھا اس لئے اس کا پورا اثر ہوا۔ ؎

ز شیر شتر خوردن و سوسمار	عرب را بجائے رسیدست کار
کہ تخت کیان را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اس کے ساتھ عجم کا ذکر تخت کے ساتھ کیا، اور عجم کا نام لیا تو کیان کے لفظ سے لیا جو
خود شوکت وشان پر دلالت کرتا ہے، اب جب دونون قومون کی ذلت وعظمت کا نقشہ

کھینچ چکا تو یہ الفاظ ع تفو بر تو اے چرخ گردان تفو- آج بھی سامعین کے دل مین انقلاب زمانہ پر حسرت کا وہی اثر پیدا کرتے ہین، جو اس وقت عجم کے دل مین پیدا ہوا تھا -

مثال ۹ ، حُر نے جب یزید کی فوج سے الگ ہوکر امام حسین علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہونا چاہا ہے تو دور ہی سے عفو تقصیر کے لئے اس طرح فریاد کی ہے ؎

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اِک بار
مجرم ایسا ہون کہ عصیان کا نہین جسکے شمار

الغیاث اے جگرِ و جان رسول مختار
عفو کر، عفو کر اے چشمۂ فیض غفّار

پار دریاے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے سے بہشتی ہو جائے

اے مددگار مُعِینُ الضُّعَفَا اَدْرِکْنِی
پانون لغزش مین ہین ای دست خدا اَدْرِکْنِی

اے خبر گیر گروہِ غربا اَدْرِکْنِی
ہات باندھے ہوئے ہین ای عقدہ کشا اَدْرِکْنِی

دیجیئے حُر کو سند نار سے آزادی کی
آئیے جلد خبر لیجئے فریادی کی

مرے اعمال ہین ہر چند سراسر ہے بدی
آپ ہین مالک سرکار جناب احدی

ہون گنہگار خدا سے ازلی و ابدی
اے خداوند جہان خُذْ بِیَدِی خُذْ بِیَدِی

جو تہی دست ہین تکتے ہین شہنشاہ کا ہات
آپ کا ہاتھ زمانے مین ہے اللہ کا ہات

پھر جب جناب امام علیہ السلام نے اسکی تقصیر معاف کردی ہے اور کمال مہربانی سے پیش آئے ہین تو ؎

حُر پکارا بابی انت و امی اے شاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن مین ملجائے یہ راہ

قابل عفو نہ تھے، بندۂ آثم کے گناہ
سب ہیں صدقہ انھین قدمون کا خدا ہے آگاہ

مہر ذرہ پہ جو ہو نیّر تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہین وہ سلیمان ہو جائے

اس موقع پر میر انیس نے اپنی عادت کے خلاف، متعدد عربی جملے استعمال کیئے ہین، جو اُردو مین بظاہر غریب اور نامانوس معلوم ہوتے ہین، لیکن ان جملون کی وجہ سے اُس وقت کی حالت کی جو تصویر کھنچ جاتی ہے، وہ اور کسی طرح ممکن نہین دعا، استغاثہ اور فریاد کے لئے عربی جملے ایک خاص اثر رکھتے ہین اور اس لیئے جاہل سے جاہل آدمی بھی جب دعا مانگتا ہے تو عربی ہی الفاظ استعمال کرتا ہے استغاثہ اور فریاد کے وقت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہین۔ مثلاً الامان الغیاث۔ چونکہ حُر عربی النسل ہے، اس لئے اسکی زبان سے بعینہ وہ الفاظ جو ان موقعون پر عرب استعمال کرتے ہین، واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے زیادہ کارگر ہو سکتے ہین، بابی انت وامی فدا اور قربان ہونے کے موقع پر بولتے ہین اور یہ فقرہ ایسا مؤثر اور دلنشین ہے کہ اُردو کا کوئی جملہ وہ اثر پیدا نہین کرسکتا تھا۔

مثال ۱۰ - حضرت عباس کو جب امام حسین علیہ السلام نے فوج کا علم عنایت فرمایا ہے، تو حضرت زینبؑ اُن سے فرماتی ہین ؎

گھر مین سلامت آئین گے جب سرورِ اُمم
تب دونگی تم کو تہنیت عہدۂ علم
ہاتھون کو جوڑتی ہے یہ بھینا اسیرِ غم
کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو
بھیّا تمھین سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

اخیر شعر مین معمولی طریقۂ کلام یہ تھا کہ مجھ کو تم سے بڑی امید ہے اور مین امام حسینؑ کو تمھین سے لونگی، لیکن حضرت زینبؑ نے اپنے آپ کو زہرؑا کی جائی کہا، اور پھر کہا کہ بہن اپنے بھائی کو تمھین سے لیگی، اس اسلوب کلام کے بدل دینے نے جو بلاغت پیدا کی وہ خود ظاہر ہے۔

مثال ۱۱ ؎

پُرسا تمھین شہید کا دینے کو آئے ہین	کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہین
پیٹے ہین خاک اُڑائی ہے آنسو بہائے ہین	یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین

یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علی اکبر شہید ہو چکے ہین اور امام حسین علیہ السلام زنانہ مین تشریف لے گئے ہین اور حضرت زینبؑ سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہین اس موقع پر یہ لفظ "تمھارے لال" ایک خاص اثر پیدا کرتا ہے، علی اکبر امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے لیکن امام علیہ السلام ان کو حضرت زینبؑ کا لال کہکر خطاب کرتے ہین اور کہتے ہین کہ ہم جو خون مین نہائے ہین یہ تمھارے لال کا خون ہے، انسان کو رنج و غم کی حالت مین جب کوئی نہایت قریب کا عزیز ہمدرد اور غمگسار مل جاتا ہے تو جوش محبت مین اُس غم کو اپنی ذات کے ساتھ نہین بلکہ اُسی شخص کی طرف منسوب کرتا ہے، گویا اُس سے ایسی ہمدردی کی اُمید کرتا ہے کہ وہ واقعہ خود اسی شخص پر پیش آیا ہے، یہان اس طرز بیان نے زیادہ اثر اس وجہ سے پیدا کیا ہے کہ فی الواقع حضرت زینبؑ کو حضرت علی اکبرؑ سے نہایت سخت محبت تھی، علی اکبر کو بچپن سے اُنھی نے پالا تھا اور اُن کو اپنے بیٹون سے زیادہ عزیز رکھتی تھین -

مثال ۱۲ - جب حضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لئے نہر پر جانا چاہا ہے تو حضرت زینبؑ نے خطرہ کے لحاظ سے ان کو روکنا چاہا - امام حسینؑ بھی ان کا جانا گوارا نہین کرتے - اُس وقت حضرت عباسؑ کی زوجہ حضرت زینبؑ سے کہتی ہین ؎

کہنے لگی یہ زوجہ عبّاس خوش صفات	بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
مشکیزہ لیکے گر یہ نجائین سوے فرات	پھر ننھے ننھے بچون کی ہو کسطرح حیات

ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہون
آ گئے جو کچھ سمجھون کی رضا مین تو غیر ہون

یہ فقرہ "مین تو غیر ہون" اس موقع پر نہایت مؤثر اور بلیغ فقرہ ہے، وہ حالانکہ حضرت عباسؑ کی بیوی ہین، لیکن اپنے آپ کو غیر کہتی ہین - یہ اس بات کی تعریض ہے کہ میری بات نہ ماننا گویا مجھکو غیر سمجھنا ہے -

مثال ۱۳

قید ہون ظلم رسیدہ بھی ہون نادار بھی ہون	اِس لئے قافلہ کا قافلہ سالار بھی ہون

یہ وہ موقع ہے کہ ہند (یزید کی بیوی) قید خانہ کے دیکھنے کے لئے گئی ہے، وہان امام زین العابدینؑ کو قید مین دیکھکر نام و نسب پوچھا ہے اور امام موصوف نے جواب دیا ہے - اِس شعر مین قافلہ کے ساتھ لُٹے کی قید نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے حسرت اور رنج کے اظہار کا یہ انتہائی درجہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایک ظاہری معزز لقب سے یاد کرتا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرا لفظ بھی ایسا استعمال کرتا ہی جس سے وہ معزز لقب، اور زیادہ ناکامی اور حرمان ثابت کرتا ہے، امام زین العابدینؑ نے اپنے آپ کو قافلہ سالار کہا، لیکن یہ بھی کہدیا کہ لُٹے قافلے کا قافلہ سالار ہون -

مثال ۱۴

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوے اعدا سے امام تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام	اے سپاہِ عرب و مصر وری و کوفہ و شام پسرِ مصحف ناطق ہون سنو مجھ سے کلام
سخنِ حق کی طرف کانون کو مصروف کرو شور باجون کا مناسب ہو تو موقوف کرو	

تیسرے شعر مین "مناسب ہو" کے جملۂ معترضہ نے نہایت بلاغت پیدا کی ہے، چونکہ وعظ اور پند کا موقع ہے اور یزیدیون سے توقع بھی نہ تھی کہ وہ امامؑ کی کسی بات کو جو تحکم کے لہجہ مین کہی جاتی قبول کرتے - اِس لئے اُنھین کی مرضی پر رکھا گیا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو باجون کا شور ذرا موقوف کردو -

استعارات و تشبیہات یہ چیزین حسن کلام کا زیور ہین بلکہ سچ یہ ہی کہ نظم و نثر اور تقریر ریر مین جو کچھ جادوگری ہے بہت کچھ انہی کی بدولت ہے لیکن جس طرح ہر چیز جب تک نیچرل حالت مین رہتی ہی اس کا اصلی حسن قائم رہتا ہے، جب تکلف اور تصنع شروع ہوتا ہے تو اثر مین کمی آجاتی ہے، اسی طرح تشبیہ اور استعارہ مین بھی جب بقصد و تکلف غرابت اور غیر معتدل ندرت پیدا کی جاتی ہے تو اصلی اثر جاتا رہتا ہے۔

اُردو کی شاعری مین جس طرح اور بہت سے بے معنی تکلفات پیدا ہو گئے ہین جنھون نے شاعری کا اصلی جوہر خاک مین ملا دیا ہے، اسی طرح تشبیہات و استعارات کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے اور لطف یہ کہ آجکل کے اہل سخن بدمذاقی سے اسی کو کمال سخن سمجھتے ہین۔

انسان مین فطرۃً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ وہ اشیا کی تصویر سے لطف اُٹھاتا ہے ایک بدصورت حبشی ہمارے سامنے آئے تو ہم کو نفرت ہوگی، لیکن اگر کوئی ہو بہو اس کی تصویر کھینچ دے تو ہم کو لطف آئیگا اور جسقدر وہ زیادہ اصل کے مطابق ہوگی اُسی قدر طبیعت پُرلطف اور استعجاب کا زیادہ اثر ہوگا۔ چونکہ تشبیہ بھی ایک قسم کی تصویر ہی اسلیئے طبیعت کا اس سے محظوظ اور متلذذ ہونا ایک فطرتی امر ہے۔

تشبیہ کی دو قسمین ہین۔ مفرد۔ مرکب، مفرد جس طرح چہرہ کو پھول سے تشبیہ دی جائے، مرکب جس طرح کہا جائے کہ میدان جنگ مین گرد اُٹھی تو اُسمین تلوارین اس طرح چمکتی تھین جسطرح شب کو ستارے ٹوٹتے ہین۔

مفرد تشبیہ مین چندان جدت نہین ہوسکتی، اولاً تو اسوجہ سے کہ مفرد چیزون کیطرف ہر شخص کا خیال منتقل ہوسکتا ہے، ثانیاً مدت سے شعرا اور اہل قلم اس قسم کی تشبیہ سے کام لے رہے ہین، اس لیے عالم قدرت مین جو چیزین تشبیہ کے قابل تھین اکثر کام مین آچکین مثلاً چہرہ کو پھول، آفتاب، مہتاب، آئینہ سے تشبیہ دے سکتے تھے۔ سَو سَو دفعہ دے چکے، اب عالم فطرت مین کوئی نئی چیز پیدا ہو تو چہرہ کی تشبیہ مین بھی جدت پیدا ہو۔

البتہ مرکب تشبیہ مین ہر وقت جدت پیدا ہوسکتی ہے کیونکہ اول تو ترکیب کی ہزارون صورتین ہین، دوسرے یہ کہ چند اشیا کی ترکیب سے جو مجموعی ہیئت پیدا ہوتی ہے اُسکی طرف ہر شخص کا خیال نہین منتقل ہوسکتا۔

ایک نکتہ اور سمجھ لینے کے قابل ہے، تشبیہ کی اصلی خوبی یہ ہی کہ مشبہ کی تصویر آنکھون مین پھر جائے اور نیچرل شاعری مین جیسا کہ قدماے عرب کی شاعری تھی تمام تشبیہین اسی قسم کی ہوتی تھین، لیکن ایک مدت سے ایشیائی شاعری نیچرل حالت سے دور پڑ گئی ہے اس لئے آج اس قسم کی تشبیہات کا ڈھونڈھنا بیفائدہ ہے۔ تاہم تشبیہ کی خوبیان جس قدر میر انیس صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین اُردو زبان مین ان کی نظیر نہین مل سکتی، اُن کی تشبیہات مین جو خصوصیات ہین اُنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱)۔ اکثر تشبیہات مرکب ہین۔

(۲) اکثر تشبیہات قریب الفہم اور سریع الانتقال الی الذہن ہین، اور یہی تشبیہ کا بڑا کمال ہے۔

(۳) علماے معانی نے لکھا ہے کہ تشبیہ کی غرض کبھی مشبہ کی رفعت اور حُسن، اور کبھی تحقیر اور ذلت، اور کبھی رعب و ہیبت ہوتی ہے، یہ باتین میر انیس کی تشبیہات مین کمال کے درجہ پر پائی جاتی ہین، مثلاً حضرت عباس پر جب ہر طرف سے برچھیان چلنے لگی ہین تو اس حالت کو اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

یون برچھیان تھین چار طرف اُس جناب کے	جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

برچھیون سے زخمی ہونا شکست اور مغلوبیت کی حالت ہے، اس لئے اس کے بیان کرنے سے ذلت کا خیال پیدا ہوتا ہے، لیکن اس تشبیہ نے حالت بدل دی۔

یا مثلاً جب حضرت عباس کے دونون ہات تلوار سے کٹ کر گر پڑے اور انھون نے مشک کو دانتون سے پکڑ لیا۔ تو اس حالت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ع مشکیزہ تھا کہ شیر کے مُنہ مین شکار تھا

مشکیزہ کا منہ مین لینا ایک بدنما صورت ہے، لیکن اس تشبیہ نے بدنمائی کے بجاے شان پیدا کردی ۔

یا مثلاً جب تمام اہلبیت ایک ہی رسن مین قید کئے گئے ہین تو اس حالت کو اس طرح بیان کیا ہے

گردنین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن	جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہائے چمن

رسی مین باندھا جانا اور وہ بھی ایک ہی رسی مین، بظاہر نہایت ذلت نما حالت تھی لیکن تشبیہ نے بدنمائی کو حسن سے بدل دیا ۔

یا مثلاً یہ شعر ؎

مقتل مین کیا ہجوم تھا اُس نورعین پر	پروانے گر رہے تھے چراغِ حسین پر

یا مثلاً ان اشعار مین تشبیہ سے دشمن کی ہیبت اور بدنمائی پیدا کی ہے ؎

کہتی تھی یہ زرہ بدن بدخصال مین	پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال مین

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا ؎

سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب	تنّور گرم تھا شکم خانمان خراب
جوش غضب سے سرخ ہوئی چشم نابکار	مثل تنور منہ سے نکلنے لگا بخار

(۴) محسوسات سے جو تشبیہ دی جاتی ہے نہایت عمدہ خیال کیجاتی ہے، کیونکہ محسوسات رات دن محسوس ہوتے رہتے ہین، اس لیئے اُن کے ذکر کے ساتھ فوراً اُن کی صورت ذہن مین آجاتی ہے، اور اس لیئے مشبہ کی تصویر بھی آنکھون مین پھر جاتی ہے، اس قسم کی تشبیہات میر انیس کے ہان کثرت سے ملتی ہین، مثلاً بھاگڑ اور اضطراب کا بیان، ؎

یون روح کے طائر تن و سر چھوڑ کے بھاگے	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

تلوار کی تعریف ؎

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آ کے اوج سے		پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
کالی وہ ڈانڈ اور وہ چمکتی ہوئی سنان		غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوے زبان

یا مثلاً دو حریف برچھیون سے ایک دوسرے پر وار کر رہے ہین اور برچھیون کی انیان باہم ٹکراتی ہین -

ع دو سانپ گتھ گئے تھے زبانین نکال کے

اسی حالت کی ایک اور تشبیہ -

ع شمعون کی تھین لوین کہ ملین اور جدا ہوئین

تعزیہ خانے مین لوگون کا سیاہ ماتمی لباس ؎

مردم سیاہ پوش ہین سب اور گھر سفید		جیسے بیاض چشم اِدھر اور اُدھر سفید

حضرت علی اکبر کا چھوٹا سا نیزہ دشمن کے بھالے سے ٹکراتا ہے ،

ع غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

غیظ اور غضب کی حالت ، ؎

یون غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو		جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو

ڈھال پر تلوار کو آسانی سے روک لینا ، ؎

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جهول کو		جس طرح روک لے کوئی شہزور پھول کو

خزان کے موسم مین پتون کی حالت ؎

ع پتے برنگ چہرۂ مدقوق زرد تھے ،

(۵) بعض جگہ تشبیہ سے مبالغہ مقصود ہوتا ہے ، اس قسم کی تشبیہین میر صاحب کے ہان نہایت اعلی درجہ کی پائی جاتی ہین ، اگرچہ فی الحقیقت ان سے تشبیہ کی اصلی غرض نہین حاصل ہوتی ، کیونکہ مبالغہ خود ایسی چیز ہے جو اصلیت سے دور کر دیتی ہے -

گرمی کی شدت کا بیان، سہ

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان — انگارے تھے حباب، تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان — تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبو نپہ جان

پانی تھا آگ، گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

اب ہم چند اشعار ہر قسم کی تشبیہ کے ایک جا نقل کرتے ہین، جن سے اندازہ ہوگا کہ میر صاحب نے تشبیہ مین کیا کیا لطافتین پیدا کی ہین سہ

کہنی سے دونون ہات جدا تن سے سر جدا — ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا
ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِ خوش آب تھا — ہر رن جو تھین کرن۔ تو وہ بنور آفتاب تھا

ع ہم لوگ زمانہ مین حباب لب جو ہین سہ

ہلنے لگے درخت لرزنے لگے جبال — سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن پر زمین کے بال

ع چلتے مین نیزے کانپتے تھے مثل بید ع

یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو — جس طرح ٹوک دے کوئی غصہ مین شیر کو

(حاشیہ: گھوڑے کی تعریف)

سرعت مین تھا ہرن تو وغا مین ہزبر تھا — ولہ — پستی مین سیل تھا تو بلندی مین ابر تھا
پھولون کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے — ولہ — تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے
اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے سیہ کارو نکی — ولہ — برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی

ع لہراتی ہے کیا نہر مثال شکم مار
ع افلاک ہنڈولے کی طرح تھے تہ و بالا، سہ

یارب ترا نام پاک جپنے کے لیے — گویا اِک ہڈیون کا مالا ہون مین
اُڑ کر گری زمین پہ سنان اس مکان سے — ولہ — گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے
گر میان تھی، تو تیغ دم امتحان نہ تھی — ولہ — یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زبان نہ تھی

حاشیہ	مصرع اول		مصرع ثانی
	یون جلوہ گر زرہ مین تن سرخ فام تھا	ولہ	گویا بچھا ہوا چمنستان مین دام تھا
	چپ ہون گر زبان ہے وہی اپنے کام مین		گویا کہ ذوالفقار علی ہے نیام مین
	ناخن سنے دکھایا جو رخ جلوہ گر اپنا	ولہ	شرما کے مہ نو نے جھکایا ہے سر اپنا

ع رہوار کیا، ہوا پہ سلیمان کا تخت تھا۔

ع بیٹھا ہے شیر پنجہ کو ٹیکے ترائی مین ٥

حاشیہ	مصرع اول		مصرع ثانی
[illegible] کی تشبیہ	کالی وہ ڈانڈا اور وہ چمکتی ہوئی سنان		غل تھا کہ اژدہا ہے نکالے ہوئے زبان

ع ذرے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

حاشیہ	مصرع اول		مصرع ثانی
	کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا		تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

ع کھلتی تھین اور حبابون کی آنکھین جھپکتی تھین

حاشیہ	مصرع اول		مصرع ثانی
	جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا		شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا

ع اعدا کا لہو تیغ کی باچھون مین بھرا تھا

حاشیہ	مصرع اول		مصرع ثانی
	تلوارین منہ چھپائے تھین سایہ مین ڈھال کے		خنجر بھی رہ گئے تھے زبانین نکال کے
	غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے	ولہ	اے فلک دیکھ زمین پر بھی ستارے نکلے
گھوڑا	سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا	ولہ	دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
	آیا گیا فرس جو سمٹ کر ادھر اُدھر		ڈھالون کا ابر رہ گیا پھٹ کر اِدھر اُدھر
	حملہ غضب ہے بازوے شاہ حجاز کا		لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا
	ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب		اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب
تلوار	کڑیون سے یون زرہ کے نکل جاتی تھی شتاب		جس طرح دام سے نکل آتی ہے موج آب
	سرکش تھے باد کبر سے جو خانمان خراب		خود اُن کے گر کے ٹوٹ گئے صورت حباب
گرمی کی شدت	خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوے تھے لب	ولہ	خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
تلوار کی ہیبت	ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر	ولہ	منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن اِدھر اُدھر

بھاگی تھی موج چھوڑکے گرداب کی سپر — تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پائون مین چھالے حباب کے

ع ہوگیا جوڑکے ہاتھون کو جلاجل خاموش ؎

تیغون کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالون کا ہوش تھا — نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا
خاک اُڑتی تھی مُنہ پر حرم شیر خدا کے — تھا چین جبین فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

اگرچہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صنائع ایسے بھی ہین کہ اگر بے تکلفی سے آجائین تو کلام مین حسن پیدا ہوجاتا ہے لیکن عام حالت یہ ہے کہ اکثر صنائع و بدائع شاعری اور انشا پردازی کا دیباچۂ زوال ہین -

میرانیس جس زمانے مین تھے، شاعری کا مدار صنائع و بدائع پر رہ گیا تھا، مبالغہ ایہام اور مناسبات لفظی، یہی چیزین شاعری کا کمال خیال کیجاتی تھین، میرانیس کو انھین لوگون مین رہنا سہنا تھا، انہی سے داد سخن لینی تھی، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ انھی کی قدردانی پر معاش اور ضروریات زندگی کا انحصار تھا، ایسی حالت مین کیونکر ممکن تھا کہ وہ زمانہ کی حکومت سے آزاد رہتے، وہ جانتے تھے کہ جس شاعری کو وہ زندہ کرنا چاہتے ہین صنائع و بدائع اسکے چہرہ کے داغ ہین، لیکن انھون نے مجبورًا اسکو گوارا کیا، یہ صرف قیاس نہین بلکہ مستند اور صحیح روایت سے ثابت ہے، میرے ایک معزز دوست نے خود میرانیس سے پوچھا کہ کیا آپ لفظی رعایتون اور صنائع و بدائع کو پسند کرتے ہین، انھون نے جواب دیا کہ "نہین، لیکن آخر لکھنؤ مین رہنا ہے" تاہم میرانیس نے یہ کیا کہ جو صنعتین محض لغو تھین، مثلًا صنعت اہمال اور لزوم مالا یلزم وغیرہ نہایت کم برتین اور جسقدر برتین اُن سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جولانگاہ مین بھی وہ بھی حریفون سے پیچھے نہین، باقی صنعتون کو انھون نے اس طرح برتا کہ کلام کی اصلی خوبی یعنی برجستگی صفائی اور سادگی مین فرق نہ آنے پائے

ہم ان تمام صنعتون کی کچھ کچھ مثالین نقل کرتے ہین، جو میر صاحب کے کلام مین پائی جاتی ہین،
ایہام کے معنی یہ ہین کہ ایک لفظ کے دو معنی ہون، ایک معنی مراد ہون، اور دوسرے معنی مراد نہون، لیکن مقدم اور موخر الفاظ سے اسکو مناسبت ہو، مثلاً

ع اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

رنگ کے دو معنی ہین، ایک تو وہی معمولی رنگ، دوسرے طرح، قسم، طرز، یہان یہی پچھلے معنی مراد ہین یعنی پھول کے مضمون کو بھی سو طرح سے باندھ سکتا ہون، یہان پہلے معنی مراد نہین لیکن گل سے اسکو مناسبت ہے، یہ صنعت اگر بہ شائستگی اور بے تکلفی سے برتی جائے تو کلام مین نہایت حسن پیدا ہو جاتا ہے، قدما مین یہ صنعت بالکل متروک تھی، سلمان ساوجی نے اسکی ابتدا کی اور اس مین نہایت غلو کیا، تاہم اکثر جگہ نہایت بے تکلفی سے بھی استعمال کیا ہے۔

سلمان کے بعد خواجہ حافظ کے کلام مین کہین کہین اسکا پتہ لگتا ہے لیکن پھر کسی نے اسکی طرف توجہ نہین کی، اُردو مین ابتدا ہی سے اسکی طرف میلان رہا، میر انیس کے زمانہ تک اسکو رواج عام ہو چکا تھا، اور یہ صنعت مضمون بندی کی ایک بڑی عمدہ صنعت خیال کی جاتی تھی، میر انیس صاحب نے بھی عوام پسندی کی بنا پر یہ صنعت نہایت کثرت سے برتی ہے لیکن اکثر جگہ نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، چند مثالین ذیل مین درج ہین، ؎

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے	اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے
ہر چند کہ ہون خسرو اقلیم سخن	پر غیر دوات کچھ قلمرو مین نہین
آغوش مین چشمہ کو سمندر سے ملا دون	قطرہ کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
کیا خوف ان کو نہر پہ گر روک ٹوک ہے	نیزہ نہین جو پاس تو ہمین بھی نوک ہے
ہمت توڑ دیے ہین جو سو سے دو بیر گئی ہون	خندق کو تو دو ہاتھ مین ہین سیر گئی ہون

تلوار کی تعریف یان

ع ۔ چلاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے، (جان جن کو بھی کہتے ہین)

ع دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے (دم خون کو بھی کہتے ہین)

ع سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، (دم تلوار کی باڑھ کو بھی کہتے ہین، ؎

ڈھالون کا دور برچھیون کا اوج ہوگیا		ہنگام ظہر خاتمۂ فوج ہوگیا،
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح	ولہ	ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح
کم نہ کچھ مرتبۂ آل عبا ہوئے گا	ولہ	عاصیون کا اسی پردہ مین بھلا ہوئیگا

ع ۔ اک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا،

ع ۔ غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی،

ع ۔ سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی،

ع ۔ ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جسکی حد نہین، (حد گناہ کی سزا کو بھی کہتے ہین،)

ع ۔ دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھ مین ؎

پیدل مین تھی نہ جان نہ دم تھا سوار مین	ولہ	ٹوٹی ہوئی صفین تھین بھلا کس قطار مین
ایسا کوئی طفلی مین نمودار نہ ہوگا ؏	ولہ	ہات ایسا تو جعفر کا بھی طیار نہ ہوگا
اللہ رے سخن کی ترے تاثیر انیس	ولہ	رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے
آکر بزم عزائے شہ مین رونا	ولہ	ہر آنکھ پہ فرض عین ہو جاتا ہے،

ع ۔ حسرت ہے کہ خواب مین بھی رویا کیجے، (عربی مین رویا کے معنی خواب کے ہین)

ع ۔ چپ ہون مگر زبان ہے وہی اپنے کام مین، (کام فارسی مین تالو کو کہتے ہین)

ع آب بقا بھی ہو تو مرے کام کا نہین،

مبالغہ، قدما کے نزدیک مبالغہ اُس حدتک ممدوح تھا کہ کسی وصف کو ایک لطیف پیرایہ مین معمولی حالت سے کچھ بڑھ کر بیان کیا جائے لیکن جب حد سے بڑھا تو عیب اور نقص ہوگیا، فن بلاغت کے امام ابن قدامہ نے نقد الشعر مین اسکی مثال مین ابونواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے۔

ع یا امین اللہ عش ابدا، ——— اے خدا کے امین تو ہمیشہ زندہ رہ،

امام موصوف نے لکھا ہے کہ کسی شخص کا ہمیشہ زندہ رہنا ناممکن ہے، اس لیئے یہ مبالغہ معیوب اور قبیح ہے، شعراے عرب اس قسم کا مبالغہ کرنا چاہتے تھے تو پہلے امکان کی شرط لگا دیتے تھے، یعنی اگر یہ ممکن ہوتا تو یون ہوتا، ابوتمام کہتا ہے ؎

ولوان مشتاقا تکلف فوق ما	فی وسعہ لمشی الیک المنبر

یعنی اگر کوئی مشتاق اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کرسکتا، تو ممبر خود تیرے پاس چلا آتا، لیکن عرب مین بھی جب تکلف، اور تصنع زیادہ بڑھا اور صحیح مذاق مفقود ہوگیا تو مبالغہ کی یہی خوبی رہ گئی کہ مستبعد اور ناممکن ہو، اور جس قدر زیادہ ناممکن ہو، اسی قدر زیادہ اسکا کمال ہے، اب یہ حالت پہونچ گئی کہ سوداؔ گھوڑے کی تعریف مین کہتے ہین، ؎

روبرو سے اگر آئینہ کے اُس گلگون کو	ق	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک
اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باورکر		عکس بھی آئینہ سے ہونے نہ پائے منفک

میرانیس کے زمانہ مین، مبالغہ کمال کی حد کو پہونچ چکا تھا اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جب تک مبالغہ مین انتہا درجہ کا استبعاد نہین ہوتا تھا، سامعین کو مزا نہین آتا تھا، مجبوراً امیر صاحب نے بھی وہی روش اختیار کی لیکن چونکہ ان کی اصل فطرت مین سلامت روی اور اعتدال تھا، اس لیے اس میدان مین وہ اپنے حریف مرزا دبیر سے بہت پیچھے رہ گئے، اور یہی بات ہے جسکی بنا پر اُن کے حریف کہتے ہین "کہ وہ خیال بندی اور مضمون آفرینی مین مرزا دبیر کا مقابلہ نہین کرسکتے۔

بہرحال ان کے مبالغہ کا نمونہ یہ ہے گرمی کی شدت کے بیان مین لکھتے ہین، ؎

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تپ ‌ ‌ ‌ کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوے تھے لب ‌ ‌ ‌ خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
سُرخی اڑی تھی پھولون سے، سبزی گیاہ سے
سایہ کنوئین مین اُترا تھا، پانی کی چاہ سے

آب روان سے مُنہ نہ اُٹھاتے تھے جانور ‌ ‌ ‌ جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر ‌ ‌ ‌ خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جاے راہ مین
پڑجائین لاکھ آبلے پاے نگاہ مین

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب ‌ ‌ ‌ چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب ‌ ‌ ‌ کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

شیر اُٹھتے تھے نہ خوف کے مارے کچھار سے ‌ ‌ ‌ آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے ‌ ‌ ‌ گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پہ تھا شعلۂ جوالہ کا گمان ‌ ‌ ‌ انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
مُنہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان ‌ ‌ ‌ تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

گھوڑے کی تعریف،

اس کی ثنا اگر کوئی لائے زبان پر	ساکن جو حرف ہو وہ نہ آئے زبان پر
کل کی طرح اشارے مین سو بار پھیر لو	بجلی ہے جس طرف دم پیکار پھیر لو
کاوے مین شکل گنبد دوار پھیر لو	نقطہ کے گرد صورت پرکار پھیر لو

دوڑے بروے آب تو پتلی بھی تر نہو
آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو

حسن التعلیل یہ ایک لطیف صنعت ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علت فرض کرتا ہے، جو درحقیقت اسکی علت نہین، مثلاً ؎

بھلائی جو کرے دنیا مین ہووے وہ پامال	بسان جادہ کسی کو تو راہ مت بتلا

جادہ یعنی راستہ پامال ہوتا ہے، شاعر اسکی یہ وجہ قرار دیتا ہے کہ راستہ لوگون سے بھلائی کرتا ہے اس لئے پامال ہے، یہ ایک قسم کی تخئیل ہے، اور اس لحاظ سے صنعت عین شاعری ہے۔ کیونکہ شاعری درحقیقت تخئیل کا نام ہے، اس صنعت مین اسوقت زیادہ لطافت پیدا ہوجاتی ہے جب وہ وصف جسکی علت بیان کرنی ہے تخئیل پر مبنی ہو، مثلاً میر انیس کا یہ شعر ؎

ڈر سے ہوا فرات کی موجون کو اضطراب	اور آب مین سرون کو چھپانے لگے حباب

موجون کے اضطراب، اور حباب کے سر چھپانے کی علت، ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے، لیکن موج کا اضطراب، اور حباب کا پانی مین سر چھپانا، خود کوئی واقعی چیز نہین بلکہ شاعر نے موج کی حرکت کو اضطراب قرار دیا ہے، اور حباب جو ٹوٹ جاتا ہے، تو اسکو فرض کیا ہے، کہ اس نے پانی مین منہ چھپا لیا، اس صنعت کو میر انیس نے اکثر جگہ نہایت خوبی سے برتا ہے،

پیاس کی شدت

ع تیغین برہنہ ہوگئی تھین چوم کر نیام ؎

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی	ساحل سے سر پٹکتی تھین موجین فرات کی

یہ سن کے تہلکہ صفِ اعدا مین پڑ گیا — ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا

ہر غول مین علم سے علم جھک کے لڑ گیا — جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا

ڈر سے نہ بڑھاتے تھے جو سرکش قدم اپنے — تیغین بھی نیامون سے چرائے تھین دم اپنے

تھم گیا طبلِ وغا کی بھی، وہ آواز کا جوش — ہو گیا جوڑ کے ہاتھون کو جلاجل خاموش

ع اکبر سے بھی وغا مین کچھ آگے بڑھی رہی، (حضرت علی اکبر کی تلوار کی تعریف سے)

ہر چند مچھلیان تھین زرہ پوش سر بسر — منہ کھولے چھپتی پھرتی تھین لیکن ادھر اُدھر

بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر — تھے تہ نشین نہنگ، مگر آب تھے جگر

دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے

لیکن پڑے تھے پانوٗن مین چھالے حباب کے

خاک اُڑتی تھی منہ پہ حرم شیر خدا کے — تھا چین بجبین فرش بھی جھونکون سے ہوا کے

ع ڈھالون کا یہ عالم تھا کہ چھپتی تھین پس پشت،

صنعت طباق یعنی دو متضاد یا مقابل چیزون کو یکجا جمع کرنا، میر انیس نے اس صنعت کو اکثر برتا ہے اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ برتا ہے

ع کھلتا نہین کچھ آپ نے کیون باندھے ہین ہتیار، سے

ہات باندھے ہوئے مین سلے عقدہ کشا ادرکنی — پانوٗن لغزش مین ہین اے دست خدا ادرکنی

میری قدر کر اے زمین سخن — کہ مین نے تجھے آسمان کر دیا

یہ فصل اور یہ بزم عزا یادگار ہے — پیری کے ولولے ہین خزان کی بہار ہے

ع گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے، سے

استادہ آب مین یہ روانی خدا کی شان — پانی مین آگ آگ مین پانی خدا کی شان

ع بانو! یہ رہے یاد ہمین بھول نہ جانا،

ع فاقے سے ہمین دن کے مگر زندگی سے سیر، سے

پانی نہ تھا وضو جو کرین وہ فلک مآب	پر تھی رخون پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند	مشکل کشا کے لعل نے کھولے تمام بند

ع تو عالم و دانا ہے کہ نہین سمجھے ان ہون،
ع ثابت نہوا کب صف اول ہوئی آخر،
ع پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور،
ع قرآن مین کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہین، ؎

پیچھے کبھی قافلے سے رہنا نہ انیس	اے عمر دراز! تیری کوتاہی ہے،

ع نیزون سے کہین عقدکشا بند ہوا ہے،

مراعات النظیر یعنی الفاظ کی رعایت، یہ وہی صنعت ہے جو آج عوام کا سرمایۂ ناز ہو رہی ہے، اور جسکو مہذب ضلع جگت کہہ سکتے ہین، امانت لکھنوی اس شریعت کا پیغمبر ہے اس کے مصحف کمال کی ایک آیت یہ ہے،

ع بھیڑیئے ملتے ہین آنکھین تری گرگابی پر،
منشی امیر احمد صاحب مرحوم فرماتے ہین، ؎

کبوتر نہ ہوتا تھا جانے پہ راضی	تو بھیجا اُسے روغن قاز مل کر

چونکہ عوام کی تسخیر کا سب سے چلتا جادو یہی صنعت ہے، اور چونکہ لکھنؤ کی شاعری کے رگ و پے مین یہ صنعت سرایت کر گئی تھی، اس لئے میر انیس صاحب کے ہان بھی اسکی بہتات ہے، لیکن اتنی احتیاط ہے کہ ابتذال نہین آنے پاتا اور بعض جگہ تو واقعی اس سے لطف پیدا ہو جاتا ہے، فارسی شعرا نے بھی اسکو برتا ہے لیکن نہایت فصاحت کے ساتھ، مثلاً ؎

خواجہ حافظ	تا دل ہرزہ گرد من رفت بچین زلف او	زان سفر دراز خود قصد وطن نمے کند
سلمان	چشم بیمار ترا عین بلامی بینم	لیکن ابروی تو چیزیست کہ بالای بلاست

بہر حال میر انیس کی صناعی کے یہ نمونے ہین ؎

جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے نہ جائے		اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری	ولہ	پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

ع۔ آتی ہون مین سرون پہ ذرا فرق فرق سے، (تلوار کی زبان سے)

ع کیا مورچہ بندی تھی پئے قتل سلیمان، ؎

صفدر سے اگر اکبر مہرو نہ ملے گا		تم ہات سے جاؤ گے تو بازو نہ ملیگا
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانمان خراب		دریا کو خاک جانتا ہے ابن بوتراب

ع آب بقا بھی ہو تو مرے کام کا نہین،

ع یہ پھول کربلا کے بسانے کو آئے تھے،

ع کٹ کٹ گئے وہ سیف زبانی دکھا گئی (تلوار) ؎

خالی نہ گیا وار کوئی تیغ دو سر کا		ہات اڑ گئے گر پاؤن بچا کر کوئی سرکا
اس ضعف مین لغزش سے نہ وہ پاؤن بھی آگاہ		پایا تھا ثبات قدم پاے ید اللہ
محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا		چلیے اب چوبدار مرگ آیا ہے
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے		کہین کوثر کے تو چھینٹون مین نہین آیا ہے

ع تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان

ع۔ کافر جو تھا تو ہات بھی مارا جنیو کا، ؎

اب تک یہ لڑائی کے نہین ڈھنگ سے واقف

دونون مین نہین ایک بھی چورنگ سے واقف

ع، سب فوج کی تیغین تھین اور اک شاہ کا دم تھا، ؎

واللیل، والضحیٰ، رخ روشن، خط سیاہ		لعل و غزال و گل لب و رخسار و چشم شاہ
ابرو و زلف و رخ شب قدر و ہلال و ماہ		تیر و سنان و ذرہ مژہ، سرمہ و نگاہ

لف و نشر

چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گرتی تھیں خاک پر
قبضوں سے تیغیں جسم سے روحیں تنوں سے سر

تفصیل

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر

پہلوں سے ہاتھ، شانوں سے بازو تنوں سے سر
برچھی سے پھل، کماں سے زرہ، زین سے تبر

مہملہ

وہ طاہر و اطہر ہو اگر معرکہ آرا
آگاہ ہو کس طرح کہو ؟ کو مارا

معلوم ہو حملہ اسد اللہ کا سارا
صمصام کا اک وار ہوا کس کو گوارا

واللہ گر اک دم کو وہ صمصام علم ہو
ہر روح کو آسدم ہوس ملک عدم ہو

کس کا اسد اللہ سا ہوا والد مرحوم
صدر دو سرا رحم دل و سرور مہموم

حلال مہم مالک کل طاہر و معصوم
آسودہ ہر اک سالک و گمراہ و محروم

معصوم کا دلدار ہو سالار اہم ہو
اولاد کا اُس عالم و عادل کا الم ہو

اس طرح کا والا ہمم اس طرح کا سردار
وہ مصدر الہام احد محرم اسرار

اس طرح کا عالم کا مدد اور مددگار
وہ اصل اصول کرم داد و دوار

حاصل اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا
مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا

تلمیع، میر صاحب نے اس صنعت کو نہایت خوبی سے برتا ہے، وہ عربی فقروں کو اس خوبی سے اشعار میں لاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے ؎

شمر پکارا یا بی انت و امی یا شاہ
قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ

ع اے خداوند جہان خذ بیدی خذ بیدی سے

انصاف کا اسوقت طلبگار ہوں تم سے		ہے کون مراد آیۂ لا اسئلکم سے
اکھی رانڈون مین ہے اک دختر فرزند نبی	ولہ	خوگر سینۂ دلبند رسول عربی
آفت فاقہ کشی، بے پدری تشنہ لبی		دمبدم لب پہ یہ ہے این ابی این ابی
حامی ہے سب کا کون حیات و ممات مین	ولہ	کسکی ثنا ہے سورۂ والعادیات مین
کس کے لیے اکملت لکم دینکم آیا		اتممت علیکم کا ملا ہے کسے پایا
ہے نفسنا انفسکم کس سے اشارا		اللہ نے کس گھر مین ستارے کو اتارا

انسانی جذبات یا احساسات

یہان تک جن محاسن کلام کا ذکر ہوا، وہ شاعری سے نہین بلکہ بلاغت سے
تعلق رکھتے تھے، شاعری جس چیز کا نام ہو اسکی بحث اب شروع ہوتی ہے۔

یہ شاعری کی اصل روح و روان ہے، اور اگر مل صاحب کی رائے تسلیم کی جائے تو صرف اسی چیز کا نام شاعری ہو، شاعری درحقیقت مصوری ہو اور یہ ظاہر ہو کہ مادیات اور محسوسات کی تصویر کھینچنا اسقدر دشوار نہین جسقدر غیر محسوسات اور غیر مادی اشیاء کا نقشہ اتارنا مشکل ہے، ایک درخت کی تصویر کھینچنی ہو تو کسی قسم کی تخیل اور دیدہ وری کی ضرورت نہین ٹہنیان پھل، پھول، پتے سب سامنے ہین اور ہر شخص ان کو محسوس کر سکتا ہے۔ مصور کا صرف یہ کمال ہے کہ ہر چیز کا پورا نقشہ کھینچ دے۔ لیکن رنج۔ غم۔ جوش۔ محبت۔ غیظ۔ بیقراری۔ بیتابی۔ مسرت۔ خوشی محسوس اور مادی چیزین نہین ہین۔ آنکھ ان کو محسوس نہین کر سکتی، البتہ دل پر ان کا اثر ہوتا ہے لیکن یہ اثر سب پر یکسان نہیں ہوتا۔ اسلیے ان کی ہوبہو اور اصلی تصویر اتارنا مشکل ہے۔

میر انیس کا اصلی جوہر یہین آکر کھلتا ہے، اور یہین ان کی شاعری کی حد، ان کے

ہمعصروں سے بالکل الگ ہوجاتی ہے۔ انسانی جذبات کی سیکڑوں قسمیں ہین۔ اور پھر ہر ایک کے مختلف مراتب اور مدارج ہین مثلاً جذبات انسانی کی ایک قسم محبت ہے، لیکن محبت کے بھی مختلف اقسام اور مدارج ہین۔ باپ بیٹے کی محبت، بھائی بھائی کی محبت، یار آشنا کی محبت۔ آقا اور غلام کی محبت وغیرہ وغیرہ میرانیس کے مرثیون مین نہایت کثرت سے ان کے جذبات کا اور ان کے مختلف مدارج کا ذکر ہے، لیکن جس جگہ جس چیز کو لیا ہے اس کمال کے ساتھ اسکی تصویر کھینچی ہے کہ اس کا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے۔

مثال ۱ - حضرت امام علیہ السلام نے مدینہ سے جب سفر کیا تو تمام کنبہ ساتھ تھا، لیکن حضرت صغرا چونکہ بیمار تھین، اس لیئے اُن کو ساتھ نہین لیا ہے، رخصت کے وقت جب گھر مین تشریف لائے تو چاہتے ہین کہ صغرا پر یہ راز ظاہر نہ ہونے پائے، لیکن یہ راز کب چھپ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت امام حسین علیہ السلام خود صغرا سے رخصت ہونے کے لیئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ صغرا کو اصرار ہے کہ مین تنہا نہین رہ سکتی، حضرت سمجھاتے ہین کہ تم اس بیماری کی حالت مین کیونکر چل سکتی ہو، وہ نہین مانتین، اُسوقت باپ بیٹی، مان، بھائی، بہنون پر محبت کا جو اثر ہے اور جس طرح اس کا اظہار ہوا ہے، اسکی تصویر اس طرح کھینچی ہے ؎

یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہ عادل
طے شام تلک ہوگی کہین آج کی منزل

تیار رہین دروازے پہ سب ہودج و محمل
رخصت کرو لوگون کو بس اب رونے سے حاصل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہین گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو اُن کو کہ جو ہین ملنے کو آئے
نادان سکینہ کہین آنسو نہ بہائے

کہدو کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہین پائے

ڈر ہے کہین گھبرا کے دم اُس کا نہ نکل جائے
باتین کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

سنکر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری | ہین لٹتی ہون کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری | یہ کس کے لیے کرتے ہین سب گریہ و زاری
اب کس پہ مین اس صاحبِ آزار کو چھوڑون
اس حال مین کس طرح سے بیمار کو چھوڑون

ماں ہون مین کلیجہ نہین سینے مین سنبھلتا | صاحب مرے دل کو ہر کوئی ہاتھون سے ملتا
مین تو اسے لیجاتی پہ کچھ بس نہین چلتا | رہ جاتین جو بہنین بھی تو دم اُس کا بہلتا
دروازے پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

چلاتی تھی کبرا کہ بہن آنکھین تو کھولو | کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو
ہم جاتے ہین تم اُٹھ کے بغلگیر تو ہو لو | چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رو لو
تم جنکی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر مین جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

ہشیار ہو کیا صبح سے بیہوش ہو خواہر | اصغر کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اُٹھ کے کھڑی روتی ہین مادر | ہم روتے ہین دیکھو تو ذرا آنکھ اُٹھا کر
افسوس اسی طور سے غفلت مین رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

سنکر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے | بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے | کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو بچائے

جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر مین
دانستہ مین کیونکر اُسے لیجاؤن سفر مین

کہکر یہ سخن بیٹھ گئے سید خوشخو
اور سورۂ الحمد پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گل زہرا کی جو خوشبو
آنکھون کو تو کھولا پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ مین جو حواس آئے ہین اماں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہین اماں

ماں نے کہا ہاں ہاں وہی آئے ہین مری جان
جو کہنا ہے کہہ لو کہ یہان اور ہے سامان
دیکھو تو ادھر روتے ہین بی بی شہ ذیشان
صُغرا نے کہا انکی محبت کے مین قربان
وہ کون سا سامان ہے جو یون روتے ہین بابا
کھُل کر کہو کیا مجھ سے جُدا ہوتے ہین بابا

یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر
نہ فرش نہ ہے مسند فرزند پیمبرؐ
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغرؑ
اُجڑا ہوا لوگو نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو مرا دم گھٹتا ہے اماں
کیا سبط پیمبر سے وطن چھٹتا ہے اماں

شبیر کا منہ تکنے لگی بانوے مغموم
صغرا کے لئے رونے لگین زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سید مظلوم
پردہ رہا اب کیا تمھین خود ہو گیا معلوم
تم چھٹتی ہو اس واسطے سب روتے ہین صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہین صغرا

اب شہر مین اک دم ہی ٹھہرنا مجھے دشوار
مین پا بہ رکاب اور ہو تم صاحب آزار
پھر آتا ہے وہ گھر مین سفر مین جو ہو بیمار
تکلیف تمھین دون یہ مناسب نہین زنہار

غربت مین بشر کے لیئے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر رنج و مصیبت کا سفر ہے

لون چلتی ہی خاک اڑتی ہی گرمی کے ہین ایام
بستی مین کہین صبح تو جنگل مین کہین شام
جنگل میں نہ راحت نہ کہین راہ مین آرام
دریا کہین حائل کہین پانی کا نہین نام

صحت مین گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

صغرا نے کہا کھانے سے خود ہی مجھے انکار
کچھ بھوک کا شکوہ نہین کرنے کی یہ بیمار
پانی جو کہین راہ مین مانگون تو گنہگار
تبرید فقط آپکا ہے شربت دیدار

گرمی مین بھی راحت سے گذر جائیگی بابا
آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہون درد ہے سر مین
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر مین
اف تک نہ کرون بھڑکے اگر آگ جگر مین
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر مین

ہو جانا خفا راہ مین گر روئے گی صغراؑ
یان نیند کب آتی ہے جو وان سوئیگی صغراؑ

وہ بات نہو گی کہ جو بے چین ہو مادر
دن بھر مری گودی مین رہینگے علی اصغرؑ
ہر صبح مین پی لونگی دوا آپ بنا کر
لونڈی ہون سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر

مین یہ نہین کہتی کہ عماری مین بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری مین بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہو مرے حال سے اللہ
کھل جائیگا یہ راز بھی گو تم نہین آگاہ
مین کہہ نہین سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہو چاہ

ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہون صغراؔ
ہے مصلحتِ حق یہی جو کہتا ہون صغراؔ

اے نور بصر آنکھون پہ لیکر تجھے چلتا
تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے مین سنبھلتا

جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہین سکتا
دانستہ تمھین ہاتھ سے مین کھو نہین سکتا

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیان تھا کہ چلین آپ مٹے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہین بی بی شہ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اس دم

وہ درد ہے جس درد سے چارا نہین صغراؔ
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہین صغراؔ

صغراؔ نے کہا کوئی کسی کا نہین زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار
اک ہم ہین کہ ہین سب پہ فدا سب کے ہین غمخوار

بیزار ہین سب ایک بھی شفقت نہین کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہین کرتا

ہمشیر کے عاشق ہین سلامت رہین اکبرؔ
ہین گھر مین تڑپتی ہوں وہ ہین صبح سے باہر
اتنا نہ کہا مرگئی یا جیتی ہے خواہر
وہ کیا کرین برگشتہ ہے اپنا ہی مقدر

پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے
نہ بھائیون کو دھیان نہ بہنوں کو خبر ہے

کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
ہوتی جو غرض چھاتی سے لپٹانے کو آتے
ہین کون ؟ جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
زلفین جو الجھتین تو سلجھانے کو آتے

کل تک تو مرے حال پریشان پہ نظر تھی
تقدیر کے اس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

مانوس سکینہ سے ہیں عباس دلاور
سرسبز رہے خلق میں نوبادۂ شبّر
ہیں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آکر
شادی میں بلائیں مجھے یہ بھی نہیں باور

بے دولھا بنے منہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی میں ہوں مجبور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
ہمراہی بیمار کسی کو نہیں منظور

دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بیبیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیر
منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر

نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ
اکبر کو بلاؤ علی اصغر کو بھی لاؤ
روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر
چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر
کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
ہم سب برادر ترے قربان یہ شبیر

صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفون پہ وارے مجھے کوئی

رخسارون پہ سبزے کے نکلنے کے مین صدقے
تلوار لئے شان سے چلنے کے مین صدقے
افسوس ہے ان ہاتھون کے ملنے کے مین صدقے
کیون روتے ہو اشک آنکھون کے ڈھلنے کے مین صدقے
جلد آن کے بھینا کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہین بیاہ نہ کر لیجیو بھائی

پیارے مرے بھیا مرے سرور علی اکبرؑ
چھپ جائینگے آنکھون سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئیگی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ
ڈھونڈھینگی یہ آنکھین تمھین ہر سو علی اکبرؑ
دل سینے مین کیونکر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اُجالا نہ رہے گا

کیا گزریگی جب گھر سے چلے جاؤگے بھائی
کیسے مجھے ہر بات مین یاد آؤگے بھائی
تشریف خدا جانیے کب لاؤگے بھائی
کی دیر تو جیتا نہ ہمین پاؤگے بھائی
کیا دم کا بھروسہ کہ چراغ سحری ہون
تم آج مسافر ہو تو کل ہم سفری ہین

ہان سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہین جانا
صحت سے جو ہین اُن مین کہان میرا ٹھکانا
بھیا جو اب آنا تو مری قبر پر آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا
کیا لطف کسی کو نہین گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغراؑ ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکلجائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنون سے ہوتے نہین بیٹا
کُنبہ کے لیئے جان کو کھوتے نہین بیٹا

مین صدقے گئی بس نہ کرو گریہ وزاری
وہ کانپتے ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمھاری
آ آمرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغرؔ مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہین سکتی
جو دل مین ہے لب پر وہ سخن لا نہین سکتی
تپ ہے تمھین چھاتی سے مین لپٹا نہین سکتی
رکھ لون تمھین امان کو بھی سمجھا نہین سکتی

بے کس ہون مرا کوئی مددگار نہین ہے
تم ہو سو تمھین طاقت گفتار نہین ہے

معصوم نے جسدم یہ سُنی درد کی گفتار
لے لے کے بلائین یہ لگی کہنے وہ بیمار
صغرؔا کی طرف ہاتھون کو لٹکا دیا اِک بار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دن مین گذر جائیگی صغرؔا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مرجائے گی صغرؔا

مثال ۲ - انھی واقعات کو ایک دوسرے موقعہ پر لکھا ہے، ع

باتین یہ ابھی تھین کہ شہ بحر وبر آئے
مان بیٹھی تھی صغرؔا کو جو چھاتی سے لگائے
دیکھا رُخ ہمشیر کو اور اشک بہائے
روتے ہوے تشریف شہ دین وہین لائے

بیٹی سے شہ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اس کے قریب آ کے یہ کہنے لگے حضرت
بیٹھو کہ ابھی اٹھنے کی تم مین نہین طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیون رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت

تپ مین جو کراہی تھین تو گھبرا گئے تھے صغرا
بیہوش تھین تم شب کو بھی ہم آ گئے تھے صغرا

صحت دے تمھین حق یہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
کیا جانیے شبیر کی تقدیر مین کیا ہے

دل جلتا ہے جب تپ مین تمھین پاتا ہون صغرا
اس رنج سے مین اور گھلا جاتا ہون صغرا

ایسا سفر صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہین راہ مین آزار
کیا نرگسی آنکھون سے نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہوا زمان حرارت سے تن زار

چہرے پہ کسی روز بحالی نہین پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہین پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کو محمل مین چڑھا جائے گا کیونکر
گھر مین تمھین پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسر

تم جانے کے قابل نہین مین رہ نہین سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہین سکتا

گھر مین تمھین چھوڑون یہ نہین دل کو گوارا
لیجاؤن تو لیجانا نہین ممکن ہے تمھارا
بچون مین کوئی تم سے زیادہ نہین پیارا
مجبور ہون بے صبر نہین اب کوئی چارا

فرقت مین سدا نالہ و فریاد کرونگا
اترونگا جو منزل پہ تمھین یاد کرونگا

صغرا نے کہا آپکی اُلفت کے میں قربان
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیان
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائیگا سامان
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان

جس پر نظرِ لطفِ مسیحِ دوسرا ہو
ہر سون کا ہو بیمار تو اک دم میں شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہو شدت میں کئی روز سے خفت
بستر سے میں خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
پانی کی بھی خواہش ہو غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہی
اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے

کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
سب سہل ہو کچھ مجھکو نہیں ہونے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سید والا
میں خانۂ ویران میں نہیں رہنے کی تنہا

اب روح مرے جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوے فراق آتی ہو بابا

مرجاؤنگی بچھڑی جو مسیحِ دوسرا سے
صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دُعا سے
کٹ جائے گا اندوہ سفر فضل خدا سے
بیماری میں جان آئیگی جنگل کی ہوا سے

سب ساتھ ہیں روؤنگی نہ غم کھاؤنگی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤنگی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہیں آگاہ
مجبور نکلتا ہوں میں اس شہر سے واللہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ
بیمار ہو کس طرح سے لیجاؤں تمھیں آہ

آزار رسیدہ ہوں گرفتار بلا ہوں
گھر چھوڑ کے جلادوں کی سرحد میں چلا ہوں

وہ صعب پہاڑون کا سفر اور وہ کڑے کوس
ایک ایک قدم رنج والم حسرت وافسوس
دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ہوتا نہین جز خار کوئی آکے قدمبوس

آرام کہین راہ مین جانی نہین ملتا
جنگل ہین وہ پُر ہول کہ پانی نہین ملتا

تھوڑے ہی دنون ہوئیگی کنبے سے جدائی
کی مجھ سے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی
پردیس سے آکر تمھین لے جائینگے بھائی
ممکن ہے کہ مین اور نہ کرون وعدہ وفائی

خوش ہونگا تم اب دل پہ اگر جبر کروگی
مرجاؤنگا جب مین تو نہ کیا صبر کروگی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر مین
اک جوش ہوا آنسوؤنکا دیدۂ تر مین
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر مین
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر مین

شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُس کو

تھراتی ہوئی اُٹھ کے گری شہ کے قدم پر
تنہائی مین بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
کی عرض کہ مرجاؤنگی یا سبط پیمبر ؑ
سب بیٹیان ہین کیا مین نہین آپکی دختر

بے آپ کے اس گھر مین نہ یا شاہ رہونگی
اچھا مین کنیزون ہی کے ہمراہ رہونگی

سب رونے لگے سن کے یہ بیمار کی تقریر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیر ؑ
چلائی سکینہ کہ مین صدقے مری ہمشیر
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوئے دلگیر

کمسن ہین مسافر مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس ماں کی تو چھاتی امنڈ آئی	چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
زینب نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی	مرجانے سے کچھ کم نہین صغرا کی جدائی

گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانیے کیا ہو

آغاز سفر مین تو یہ ماتم ہے یہ کہرام	کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہان راحت و آرام	مان روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام

بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہ ہو بر مین
بھولیگی وہ ؟ چھوڑینگے اکیلا جسے گھر مین

صغرا نے کہا آپ کی باتون کے مین قربان	تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہون پھوپی جان
بیٹی ہو علی کی مری مشکل کرو آسان	جلتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احسان

کچھ بات بجز گریۂ و زاری نہین کرتین
امان تو سفارش بھی ہماری نہین کرتین

پیاری ہین جو دو بیٹیان وہ جائینگی ہمراہ	کیا انس کہ مین گور کنارے بھی تو ہون آہ
بابا کو نہ امان کو نہ بہنون کو مری چاہ	سب جیتے رہین خیر ہمارا بھی ہے اللہ

بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کرینگے
ہین قبر مین جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

کیا خلق مین لوگو کوئی ہوتا نہین بیمار	ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہون پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار	کیون بھاگتے ہین سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہون جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا مین خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا مین پھل آیا
دل سخت کیا مان نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے مین نہین کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت مین جو کام آئے
ہین سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
اس راہ مین ہمراہ کنیزین تو ہون لے وائے
کنبے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
بیماری مزمن مین دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی مین رونے سے اتر جائیگی یہ تپ
ہان درد بھی سر مین مرے ہوئیگا نہین اب
تڑپونگی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب
بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب
کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن مین
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن مین

تنہائی مین شدت بھی نہوگی خفقان کی
بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکان کی
تڑپونگی نہ فرقت مین امام دو جہان کی
شفقت مجھے یاد آئیگی بہنون کی نہ مان کی
فرقت مین مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
مین گھر مین نہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہین کرون کس کی شکایت
بابا کی یہ تقریر ہے بہنون کی یہ صورت
چھوڑا ہمین بس دیکھ لی امان کی محبت
بولین نہ پھوپی جان بھی کچھ واہ ری قسمت
فرقت کا الم میرے کلیجہ کو چھری ہے
سب اچھے ہین لوگو مری تقدیر بری ہے

عاشق مرے مشہور ہین بھیا کے بین واری — دو دن سے خبر بھی نہین لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنین گریۂ وزاری — ہین کون؟ سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہین ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہین ہے

اُسوقت محبت مری ہو جائے گی حالی — جب راہ مین خط پڑھکے کہینگے شہ عالی
لو مرگئی کنبے کی جو تھی چاہنے والی — آباد جو حجرہ تھا وہ اب ہوگیا خالی
قسمت نے سنائی خبر مرگ سفر مین
وہ قبر مین سوئی جسے چھوڑ آئے تھے گھر مین

پھر ہم نہین ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا — سب رو کے کہین گے کہ اسے ہاتھ سے کھویا
عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر مین سویا — کیا نفع اُسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا
پُرسے کے لئے جمع ہوے لوگ تو پھر کیا
پردیس مین کنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا

یان ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوے اکبرؑ — سرخ آنکھین تھین اور زرد تھا غم سے رخ انور
چلائی بہن بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر — اس سینے کے ان ہاتھون کے قربان یہ خواہر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی
تقدیر ہمین تم سے جدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ — وہ دن ہو کہ پھر خیر سے اس شہر مین آؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمین پاؤ — صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کیے جاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ مین مجھکو نہ بھلا دیجیو بھائی

رونے کا اُدھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری
تیار ہے ناموس محمدؐ کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
کیا دیر ہے اب آئے ید اللہ کی پیاری
ہر بار قناتوں کے قریب آتے ہیں عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صغراؑ
جلد آتے ہیں یا خود تمھیں بلواتے ہیں صغراؑ
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغراؑ
جان اپنی نہ کھونا تمھیں سمجھاتے ہیں صغراؑ
قربان پدر آب و غذا ترک نہ کیجیو
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کیجیو

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
ناموس محمدؐ بھی چلے ساتھ بصد غم
صغراؑ بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ہمسائیاں باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم
راحت تھی جو سب گوشۂ ویجاہ کے دم سے
اک پیٹتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

غل تھا شہ ابرار! خدا حافظ و ناصر
رانڈوں کے مددگار! خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار! خدا حافظ و ناصر
محتاجوں کے غمخوار! خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقوں کے غربت کے الم کس سے کہینگے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہینگے

صغراؑ کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار
اٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار
جس ناقے پہ تھی بانوئے ناشاد دل افگار
اُس ناقے کے پاس آکے یہ چلائی وہ بیمار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
اماں مجھے اصغرؑ کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی سُن کر یہ خبر بانوئےؑ بے پر
بیٹی سے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھکر
پردے سے جگر بند کا مُنہ کر دیا باہر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین اصغرؑ
منہ زرد ہے رخسارون سے آنسو بھی بہے ہین
یہ نرگسی آنکھون سے تمھین دیکھ رہے ہین

تھراتے ہوے ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری
آخر کوئی دن مین ہے بس اب موت ہماری
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے مین واری
بھیّا نہین جینے کی مین فرقت مین تمھاری
جب آکے پھر اِس جھُولے کو آباد کروگے
تم بھی مری گودی کو بہت یاد کروگے

عباسؑ سے شہ نے کہا اے ثانیِ حیدرؑ
حمّالون سے کہدو کہ بڑھین اونٹون کو لیکر
مرجائیگی اب فاطمہ صغراؑ مری دختر
اسواریون کے ساتھ رہین قاسمؑ و اکبرؑ
احباب جو روتے ہین تو غم کھاتے ہین ہم بھی
سب شہر کے ناکے پہ تمھین آتے ہین ہم بھی

مثال ۳۔ حضرت علی اکبرؑ کی رخصت اور باپ مان کی حالت ۵

خود مرنے کو ہمشکل نبیؐ جاتا ہے
کیا الم ہے کہ جگر سینے مین تھراتا ہے
دولتِ بانوئےؑ بیکس پہ زوال آتا ہے
داغ بیٹے کا فلک باپ کو دکھلاتا ہے
مان تڑپتی ہے شہ جن و بشر روتے ہین
کس جوان بیٹے سے مان باپ جدا ہوتے ہین

بیٹا کیا جاتا ہے ہوتا ہے بھرا گھر برباد
کرتے ہین اپنی جوانی علی اکبرؑ برباد
ہوتی ہے دولتِ فرزند پیمبرؐ برباد
جان کھوتا ہے پدر ہوتی ہے مادر برباد

داغ اولاد ہے یان صبر کا مقدور نہین
پہلے فرزند سے مر جائین تو کچھ دور نہین

ایسا بیٹا جسے اٹھارہ برس پالا ہے — گھر سے جاتا ہے وہی گھر کا جو اُجیالا ہے
تفرقہ چرخ ستمگر نے عجب ڈالا ہے — کیا کرین صبر کلیجہ بھی تہ و بالا ہے

دل کی بیتابی ہر اک آن سوا ہوتی ہے
روح مان باپ کے قالب سے جُدا ہوتی ہے

داغ اولاد نہین آہ اُٹھایا جاتا — ایسا بیٹا نہین ہاتھون سے گنوایا جاتا
درد وہ ہے کہ زبان پر نہین لایا جاتا — زخم وہ ہے کہ جگر پر نہین کھایا جاتا

داغ فرزند حسین ابن علیؑ سے پوچھو
نوجوان بیٹے کا غم باپ کے جی سے پوچھو

سوچین سب صاحب اولاد کہ کیا مشکل ہے — تا کجا صبر کہ مان باپ کا آخر دل ہے
پہلے فرزند سے بابا کا جگر گھائل ہے — زخم اکبر نے نہین کھائے یہ مان بسمل ہے

پار جب سینے سے برچھی کی انی ہو وے گی
کیا غضب ہو وے گا کیا سینہ زنی ہو وے گی

باندھتا ہے وہ کمر اور کمر شاہ ہے خم — تیغ سمجھا ہے پسر باپ کے دم مین نہین دم
شان سے شانے پہ رکھتا ہے کمان وہ ضیغم — تیر غم لگتے ہین مادر کے جگر پر پیہم

تن پہ چار آئنہ سجنے کا وہان سامان ہے
چار یارا ہے جگر مان کا پدر حیران ہے

واقعی دولت اولاد عجب دولت ہے — اُسکو راحت ہے تو مان باپ کو بھی راحت ہے
نوجوان بیٹے کا مرنا بھی بڑی آفت ہے — زندگی تلخ ہے پھر جینے کی کیا لذت ہے

اُس کا دل دیکھو چھٹے باپ سے جس کا بیٹا
اور بیٹا بھی تو ہمشکل نبیؐ سا بیٹا

ہین حسین بھیگتی اٹھارہ برس کا ہے سن
بیچ مین کاٹی ہین دکھ درد کی راتین گن گن
منتین مانی ہین مادر نے مرادون کے ہین دن
پالنے والی کو چین آئے گا کیونکر اُس بن

مان کو حسرت ہے دلھن بیاہ کے گھر لانیکی
فکریان عین جوانی مین ہے مرجانے کی

مان کو منظور ہے جاوے نہ کہین نور نظر
باپ کو غم ہے کہ چھٹتا ہے برابر کا پسر
اور فرزند کو درپیش ہے دنیا سے سفر
سیدھی ہو سکتی نہین خم ہوئی جاتی ہے کمر

بھائی کے واسطے قاسم کی دلھن روتی ہے
پکڑے دامان قبا چھوٹی بہن روتی ہے

رن کو جانے کیلئے بانو کے جائے ہین کھڑے
ہاتھ جوڑے ہوئے گردن کو جھکائے ہین کھڑے
شوق ہے جنگ کا ہتھیار لگائے ہین کھڑے
مان سے مرنے کے لئے آنکھ چرائے ہین کھڑے

شاہ خاموش ہین پر بول نہین سکتے ہین
کبھی بانو کا کبھی بیٹے کا منہ تکتے ہین

دل سے فرماتے ہین یہ دیکھئے اب ہوتا ہے کیا
صبر کی جا نہین ہوتا ہے پسر مان سے جدا
بانو دیتی ہے کہ بیٹے کو نہین دیتی رضا
اب خدا خیر کرے ہے یہی مرجانے کی جا

جسم کانپے گا قلق ہوئے گا غش آجائے گا
حرف رخصت کا نہ بانو سے سنا جائیگا

بانو کہتی ہے کہ کیا کہتے ہین اکبر یا شاہ
دیکھتی ہون مین کہ حضرت کی بھی حالت ہے تباہ
انکے جو دل مین ہے کچھ آپ ہین اُس سے آگاہ
ماجرا کیا ہے یہ کچھ مجھ سے تو کہیئے للہ

منہ سے کچھ کہتے نہین پاس ادب کرتے ہین
کونسی چیز ہے جو مان سے طلب کرتے ہین

شاہ فرماتے ہین بانو سے کہ ای نیک نہاد
پوچھو اکبرؑ سے کہین گے جو کچھ انکی ہے مُراد
رازدان ہوتی ہے مان بیٹے کی بابا سے زیاد
حق نہ مان باپ کو دکھلائے فراق اولاد

تھا مقدر رہین کہ سب ہووین جدا ہم دیکھین
اب بھی اُٹھ جائین جہان سے تو نہ یہ غم دیکھین

سُن کے یہ بانو نے فرزند سے پوچھا رو رو
ہاتھ کیون جوڑے ہوان ہاتھونکے مان صدقے ہو
کیا کہا چاہتے ہو مان سے تو ای لال کہو
کہا اکبرؑ نے رضا مرنے کی امان ہمین دو

صبر فرماؤ کہ اب تم سے جدا ہون گے ہم
دودھ بخشو ہمین بابا پہ فدا ہون گے ہم

یہ سخن سنتے ہی فرزند سے مان ہوگئی زرد
مردنی پھر گئی چہرے پہ اُٹھا دل مین درد
دھیان آیا کہ چلا ہاے پسر بہر نبرد
دیکھ مُنہ بیٹے کا کہنے لگی بھر کر دم سرد

تم سے بچھڑونگی تو واری مین کدھر جاؤنگی
پھر نہ رخصت کا سخن کہنا کہ مر جاؤنگی

کہا اکبرؑ نے کہ بہتر ہے نہ دیجے رخصت
میرے بابا سے ہوے بھائی بھتیجے رخصت
خیر مرنے کو نہ جاوینگے نہ دیجے رخصت
مجکو بھی دھیان یہ تھا آپ سے لیجے رخصت

مان سے فرزند کو تکرار کا کیا یارا ہے
تابع حکم ہین ہم زور ہمارا کیا ہے

سب نے قربان کئے زہرا کے پسر پر فرزند
مین نے چاہا تھا کہ ہو آپکا بھی نام بلند
کٹ گئے تیغون سے کس کس کے جگر کے پیوند
پر تعجب ہو کہ آئی نہ مری عرض پسند

آپ کہتی ہین نہ جاؤ تو نجاوین گے ہم
اپنے ہمچشمون کو پھر منہ نہ دکھاوین گے ہم

جایئے گا سوے یثرب تو نہ جائے گا غلام
خیمے کے لوٹنے کو آئے گا جب لشکر شام

کام بابا کے نہ آئے تو وطن سے کیا کام
قید ہم ہونگے کہ لڑنے کا یہی ہے ہنگام

آبرو پاتے جو سر تیغ سے کٹواتے ہم
طوق و زنجیر کی ایذا سے بھی چھٹ جاتے ہم

آج جو مرتے تو داخل شہدا مین ہوتے
لاش پر کہتے ملک ہاے علیؑ کے پوتے

پائینتی باپ کے آرام سے رن مین سوتے
حشر تک ہم کو عزادار جہان مین روتے

جو ہے منظور ہمین آپ کو منظور نہین
اب بھی فرماؤ تو میدانِ وغا دور نہین

بولی مان ہو گئے آزردہ مین واری بیٹا
باپ پیارا ہے تمھین مان نہین پیاری بیٹا

گلہ آمیز یہ باتین ہین تمھاری بیٹا
دھیان اپنا ہے نہین فکر ہماری بیٹا

پہلو بابا کا تو آباد کیا چاہتے ہو
پالنے والی کو برباد کیا چاہتے ہو

علی اکبر مری محنت کی طرف دھیان کرو
چھوڑ کر مان کو نہ تم کوچ کا سامان کرو

امان واری مری بستی کو نہ ویران کرو
پھر فدا ہو جیو پہلے مجھے قربان کرو

مرے جیتے نہ قدم گھر سے نکالو بیٹیا!
اپنی مادر کا جنازہ تو اٹھالو بیٹیا!

مان کی تقریر سے مایوس ہوے جب اکبرؑ
رکھدی تلوار لگے کھولنے ہاتھون سے کمر

اشک آنکھون سے بہے چاند سے رخسارون پر
بانو گھبرا گئی ٹکرے ہوا زینبؑ کا جگر

لے کے بیٹے کی بلائین کہا کیون روتے ہو
لو نہ روؤنگی مین کاہے کو خفا ہوتے ہو

روکے کہنے لگے بیٹے سے امام خوش خو
پھر کہا بانو سے اب مرنے کی رخصت انھین دو
مان تو دیتی ہے رضا مرنے کی آزردہ نہو
تھا مقدر مین یہی صبر کرو شکر کرو

یہ دعا مانگو کہ تڑپے نہ کلیجہ میرا
آزماتا ہے مرے صبر کو مولا میرا

تم نے اٹھارہ برس کھینچے ہین گو رنج و تعب
اس کا مین کون ہون تم کون ہو جو مرضی رب
بانوؑ پر خواہش تقدیر سے ناچار ہین سب
زور کیا جسکی امانت ہے وہ کرتا ہے طلب

اب نہین جینے کے عمر اتنی ہی یہ لائے تھے
خلق مین داغ دکھانے کو ہمین آئے تھے

شہ نے سمجھایا تو بانوؑ نے کہا یہ رو کر
مان سے چلتے ہوئے آزردہ نجاؤ اکبرؑ
کیون کمر کھولتے ہو غصے سے صدقے مادر
خیر جو مرضی ہے اچھا کرو دنیا سے سفر

اب تو راضی ہوئے مادر سے مین واری بیٹا
آگے آؤ کہ بلائین لون تمھاری بیٹا

سن کے مان سے یہ سخن قدمون پہ فرزند گرا
مان نے چھاتی سے لگا کر کہا صدقے بیٹا
عرض کی آپ سے روٹھون مرا مقدور ہے کیا
جاؤ رخصت بھی کیا دودھ بھی تم کو بخشا

غم نہ کھانا کہ یہ مان رو رو کے مر جائیگی
ساتھ دو باپ کا مان کی بھی گذر جائیگی

کہکے یہ روئی جوان بیٹے کو چھاتی سے لگا
خاک پر سید سجاد نے سر دے پٹکا
غل ہوا بانوؑ نے دی مرنے کی اکبرؑ کو رضا
رو کے چلانے لگین بہنین کہ ہے ہے بھیا

کچھ زبان سے علی اصغرؑ جو نہ کہہ سکتا تھا
جھولے سے رو رو کے بھائی کیطرف تکتا تھا

کہتی تھی پیٹ کے سر زینبؑ مضطر ہے ہے
بانوؑ لوٹی گئی برباد ہوا گھر ہے ہے
نوجواں مرنے چلا بھائی کا دلبر ہے ہے
ہم سے پردیس میں چھوٹے علی اکبرؑ ہے ہے

پاس کوئی نہیں تنہا شہ مظلوم ہوئے
ہائے نانا کی زیارت سے بھی محروم ہوئے

چھوڑ کر روتا اُنھیں خیمے سے اکبرؑ نکلے
پُر عجب حال سے ہمشکل پیمبر نکلے
پیچھے فرزند کے روتے ہوئے سرور نکلے
مُڑ کے تکتے تھے کہ خیمے سے نہ مادر نکلے

ماں کے رونے کی جو کانوں میں صدا آتی تھی
ٹکڑے ہوتا تھا جگر چھاتی پھٹی جاتی تھی

در پہ موجود سواری کو جو تھا اسپ عقاب
فدوی اسوار ہو لیجائیں جو تشریف جناب
جوڑ کر ہات کہا شاہ سے باچشم پر آب
بولے شہ تم چڑھو گھوڑے پہ میں تھامونگا رکاب

باپ نے پاؤں کو گر ہاتھ لگایا تو کیا
کاندھے پر چڑھتے تھے گھوڑے پہ چڑھایا تو کیا

مثال ۴۔ حضرت امام زین العابدینؑ اپنے بھائی علی اکبرؑ کو رخصت کر رہے ہیں، سہ

فضہ سے کہا کیا ہوا کیسی ہے یہ زاری
شبیرؑ اکیلے ہیں غضب ہو گیا واری
سر پیٹ کے وہ خادمۂ خاص پکاری
اب جاتی ہے رن کو علی اکبرؑ کی سواری

ماں خاک اڑاتی ہے پھوپی غش میں پڑی ہیں
سب بیبیاں حلقہ کیے گرد اُن کے کھڑی ہیں

فرمایا عصا لاکہ برادر سے مل آئین
دریاے شہادت کے شناور سے مل آئین
غازی سے مجاہد سے دلاور سے مل آئین
شبیرؑ کے پیارے علی اکبرؑ سے مل آئین
بھائی کا نہین کوچ یہ رخصت ہے نبیؐ کی
ہم آپ چلین گے کہ زیارت ہے نبیؐ کی

غصہ نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا
خم ہوگیا تھا، درد کمر سے قد والا
بستر سے اُٹھا کانپ کے وہ گیسوؤن والا
تھرا کے پڑا پاؤن کہین اور کہین ڈالا
اشک آنکھون سے بہتے تھے گریبان قبا پر
ہر بار ٹھہر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر

آواز حزین تھی کہ میری جان برادر
ہم آتے ہین ٹھہرے رہو اک آن برادر
بیمار برادر، ترے قربان برادر
ذی قدر برادر مرے ذی شان برادر
بھائی سے بغلگیر تو ہوتے ہوے جاؤ
ہم روئین تمھین، تم ہمین روتے ہوے جاؤ

عابدؑ کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبرؑ
سجادؑ نے فرمایا کلیجے سے لگا کر
آنکھون کو ملا ہاتھون سے قدمون پہ رکھا سر
گردن مین مرے ڈال دو باہون کو برادر
شانے کے قرین زلف معنبر رہے بھائی
چہرہ مرے چہرہ کے برابر رہے بھائی

اے روشنئ خانۂ زہراؑ ترے صدقے
اے تشنہ لب اے بیکس و تنہا ترے صدقے
اے باپ کے عاشق مرے شیدا ترے صدقے
اے رہرو فردوس معلا ترے صدقے
گھر آج اُجڑتا ہے لٹے جاتے ہین بھائی
ہم قافلہ والون سے چھٹے جاتے ہین بھائی

مثال ۵ ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام بہن، بیٹی اور بیوی سے رخصت ہوتے ہین ؎

روتے ہوئے حرم مین گئے قبلۂ انام
رخ زرد دل مین درد بدن سرد تشنہ کام
تر تھی لہو سے لخت جگر کی قبا تمام
طاقت نہ قلب مین نہ بدن مین لہو کا نام
یہ درد تھا بکا مین کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسینؑ علیہ السلام کے
تھرا رہے تھے پاؤن شہ تشنہ کام کے
لائی حرم سرا مین بہن ہاتھ تھام کے
سر دوش پر تھا زینب عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن علیؑ اکبر گذر گئے
ہم ایسے سخت جاں تھے کہ ابتک نہ مر گئے

پرسا ثقلین شہید کا دینے کو آئے ہین
پیٹے ہین خاک اڑائی ہے آنسو بہائے ہین
کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہین
یہ ہم تمھارے لال کے خون مین نہائے ہین
سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود مین
بیٹے کی جان نکلی ہے بابا کی گود مین

سر بار دوش ہے ہمین رخصت کرو بہن
مردے پڑے ہوئے ہین عزیزونکے بے کفن
اب عنقریب خیمۂ عصمت ہین تیغ زن
پامال ہو نہ لاشۂ فرزند صف شکن
محجوب ہم ہین قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہو علیؑ اکبر کی روح سے

یہ سن کے بی بیون کے جگر پر چھری چلی
سر خفی جہان کے ہین سب آپ پہ جلی
زینبؑ زمین پہ گر کے پکاری کہ یا علیؑ
جاتا ہے سرکشون مین یہ کونین کا ولی

بیکس کو آسرا ہے پسر کا نہ بھائی کا
آقا یہی تو وقت ہے مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے مین کد کرو
فرزند فاطمہؑ کی بلاؤن کو رد کرو
دریا کو چھین لو حق زہراؑ سند کرو
یا شیر حق مقام مدد ہے مدد کرو
پانی پہ جنگ آگ لگی ہے یہ دہر مین
حصہ پسر کا کیا نہین مادر کے مہر مین

یا مصطفیٰ بلا مین پھنسا ہے تمھارا لال
یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انھین جلال
یا فاطمہؑ مین لٹتی ہون بکھراؤ سر کے بال
یارب الٹ دے آج یہ سب عرصۂ قتال
پھر کیا کسی سے کام ہے سب سے جدا رہون
بھائی کو اپنے لے کے مین جنگل مین جا رہون

فرمایا شہ نے صبر بہن چاہیئے تمھین
خالق کی یاد سرّ و علن[1] چاہیئے تمھین
لب پہ رضا رضا کا سخن چاہیئے تمھین
جو مان کا تھا چلن وہ چلن چاہیئے تمھین
ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
شکوہ کیا علیؑ سے نہ پہلو کے درد کا

یہ سچ کہ تمکو مجھ سے محبت ہے اے بہن
کیا کیجیے ناگزیر یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمھارے بھائی کی رخصت ہے اے بہن
دنیا مقام رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حال غیر ہو
اسکی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکھا یہ کہکے بالی سکینہؑ کو پاس سے
لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردون اساس سے

[1] یعنی پوشیدہ و ظاہر ۱۲

طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند یاس سے
بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہان سفر ناگزیر ہے
آؤ گلے لگو نہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قرب خدائے قدیر ہے
تنہا ہین ہم سپاہ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے

سن کر مصیبت پدر بیکس و حزین
بولی بلائین باپ کی لے کر وہ مہ جبین
نکلو بلا کے بن سے کہین یا امام دین
آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہین
صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
للہ ساتھ لے لو مجھے جس طرف چلو

شہ نے کہا کہ بند ہین راہین پدر نثار
پھیلی ہوئی ہے چار طرف فوج نابکار
پیدل نکلنے پاتا ہے ناکون سے نہ سوار
اس دشت کین مین قید ہے احمدؐ کا یادگار
قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہین
سر کاٹ کر درختون مین لٹکائے جاتے ہین

عمو تمھارے چھوڑ گئے ہم کو جان بلب
بی بی قدم پہ گر کے ہمین کون روکے اب؟
تلوارین چل گئین بنے قاسمؑ پہ بے سبب
مرنا شباب مین علی اکبرؑ کا ہے غضب
تھے جتنے زندگی کے حلاوت وہ چھٹ گئے
دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم مین لٹ گئے

بی بی یہان سے اہل وطن ہین قریب تر
پر میری بیکسی کی نہین ایک کو خبر

بھیجے ہیں شیعیان میں نے بھی نامہ بر — لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گذر

قرلون سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
لشکر نبی اسد کا قریب آکے پھر گیا

گھیرا ہے اس لئے مجھے اس بن مین بیگناہ — تا مجھ تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
نہ دوست، نہ عزیز، نہ غمخواہ، نہ سپاہ — ہمراہی سب عدم مین، وطن دور، گھر تباہ

مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر بشر نہو
مر کر نہ دفن ہون تو کسی کو خبر نہو

جانا ہے دور شب کو جو آنا نہو ادھر — ضد کر کے روئیو نہ ہمین چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شب فرقتِ پدر — سوؤ ہیومان کی چھاتی پہ غربت سے رکھکے سر

راحت کے دن گذر گئے یہ فصل اور ہے
اب یون بسر کرو جو یتیمون کا طور ہے

ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ تشنہ کام — بتلائیے مجھے کہ یتیمی ہے کس کا نام
آنکھون سے خون بہا کے یہ کہنے لگے امام — کھل جائیگا یہ درد و الم تم پہ تا بہ شام

بی بی نہ پوچھو کچھ یہ مصیبت عظیم ہے
مر جائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہے

بندے اُتار و طوق بڑھاؤ پدر نثار — چھپنا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شعار
چلائیو نہ این ابی کہہ کے بار بار — دشمن ہمارے نام کا ہے تشنہ بکار

لو الوداع جاتے ہین اب قتل گاہ مین
سونپا تمھین خدا و نبی کی پناہ مین

یہ کہہ کے پیاری بیٹی سے دیکھا اِدھر اُدھر — پوچھا کدھر ہین بانوئے ناشاد نوحہ گر

فضہ نے عرض کی کہ اُدھر پیٹتی ہین سر | رخصت کی بھی حضور کے اُن کو نہین خبر
لب پر گھڑی گھڑی علیؑ اکبر کا نام ہے
چلیے ذرا کہ کام اب اُن کا تمام ہے

رکھی تھی لا کے لاش پسر آپ نے جہان | مُنہ اس زمین پہ ملتی ہین اور ہے لبوں پہ جان
کرتی ہین اُٹھ کے آہ تو ہلتا ہے آسمان | نعرہ یہ ہے کہ ہاے علیؑ اکبر جوان
واری گئی نہ قبر مین امان کو گاڑ کے
جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

روتے ہوئے وہان جو گئے شاہ خوشخصال | دیکھا کہ غش ہین خاک پہ بکھرے ہوے ہین بال
شبیرؑ بیٹھ کر یہ پکارے بصد ملال | ای شہربانوؑ ہوش ہین آؤ یہ کیا ہے حال
سچ ہے فلک نے تم کو بڑے دُکھ دکھائے ہین
صاحب اُٹھو ہم آخری رخصت کو آئے ہین

سُنکر صدا حسینؑ کی چونکی وہ نوحہ گر | کی عرض سر جھکا کے قدم پر بچشم تر
تنہا حضور آئے ہین باندھے ہوے کمر | صاحب کہان ہے منتون والا مرا پسر
ایسے نہین وہ دُکھ مین جدا ہون جو باپ سے
اپنے مرادون والے کو مین لونگی آپ سے

اے جان فاطمہؑ مرا پیارا کہان گیا | امان کی زندگی کا سہارا کہان گیا
وہ تین دن کی پیاس کا مارا کہان گیا | سیدانیون کی آنکھون کا تارا کہان گیا
مرتی ہون اپنے سروسہی قد کو دیکھ لون
اک بار پھر شبیہ محمدؐ کو دیکھ لون

وہ گورا گورا چاند سا مکھڑا دکھائین پھر | لے لون مین گیسوؤن کی بلائین تو جائین پھر

مجھکو تو خیریت سے غرض ہو نہ آئین پھر | خوشبو مین تن کی سونگھ لون جنگل بسائین پھر

تڑپے گا دل تو لیکے اجازت حضور سے
مین دیکھ لونگی در پہ کھڑے ہوکے دور سے

بیخود تھی مین جب آئے تھے میدان سے وہ ادھر | کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
سنبھلا ذرا جو دل تو پھڑکنے لگا جگر | کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہین خبر

آئے تو چھپ کے آئے گئے بے ملے ہوئے
باتین نہ پیار کی ہوئین نہ کچھ گلے ہوئے

گر ہین خفا تو آئین ہین اُٹھ کر نثار ہون | اُنکی خطا نہین ہے مین تقصیروار ہون
دائی ہون اُنکی آپ کی خدمت گزار ہون | اب رحم کیجیئے کہ بہت بے قرار ہون

تکلیف گرچہ ہوگی شہ مشرقین کو
لے آئیے منا کے مرے نور عین کو

باتین یہ سن کے کہنے لگے شاہ بحر و بر | یارب جدا نہو کسی مان سے جوان پسر
پاؤن تو کسے بلاؤن؟ کہان ہے وہ سیمبر؟ | ہمشکل مصطفےٰ تو گئے جان سے گذر

ہر دکھ مین صبر کرتے ہین جو حق شناس ہین
جس نے تمھین دیا تھا وہ اب اُسکے پاس ہین

جاگے ہوے تھے رات کے نیند آگئی اُنھین | ہے ہے منافقون کی نظر کھا گئی اُنھین
ضعفی بہت کیا یہ اجل پاگئی اُنھین | صحرائے کربلا کی فضا بھا گئی اُنھین

زندہ نہوگا لال اگر مر بھی جاؤگی
اب تو کوئی گھڑی مین ہمین بھی نہ پاؤگی

جاتے ہین ہم وہین کہ جہان ہے وہ لالہ فام | دے دو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام

سُنکر یہ ذکر ہوش مین آئی وہ تشنہ کام — سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہے
بستی اُجڑ کے تخت اُلٹنے کا طور ہے

دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دلفگار — اے ابن فاطمہؑ یہ کنیز آپ کے نثار
بعد آپ کے جو لوٹنے آئین ستم شعار — بیٹھے کہان بیکس و غمگین و سوگوار
کچھ حق مین اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

مین وہ ہون جو کہ قید مین آئی تھی یا امام — مشہور ہون کنیز امام فلک مقام
پاس آپ کے ہے نانا کا اے قبلۂ انام — گر قید ہو گئی تو کہین گے یہ خاص و عام
بندی چلی ہے شام کو آلؑ رسول کی
دیکھو یہی بہو ہے علیؑ و بتولؑ کی

فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہے ذوالجلال — زہراؑ کی بیٹیونکی رہو تم شریک حال
زینبؑ کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دو نو لال — صاحب تمھارے ساتھ ہی عابدؑ سا خوشخصال
بے وارثون کا وارث و والی الٰہ ہے
دیکھو ڈگے نہ پائون کہ مشکل کی راہ ہے

لو الوداع لاش پہ اب آکے روئیو — لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلا کے روئیو
زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے روئیو — قبر رسولؐ پاک پہ ہان جا کے روئیو
لٹنے مین صبر، شکر تباہی مین چاہیئے
رونا بشر کو خوف الٰہی مین چاہیئے

مثال ۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام، اپنے بھائی عباسؑ کے مرنے کی خبر سُن کر رزمگاہ کو جاتے ہین ؎

دریا پہ سر برہنہ شہ بحر و بر چلے
اکبر سنبھالے باپ کو باچشم تر چلے
صدمہ یہ تھا کہ ہاتھون سے تھامے کمر چلے
یہ بھی اُدھر چلے، شہ والا جدھر چلے
صدمہ ہی ضرب غم سے دل پاش پاش پر
رونے کو بھائی جاتا ہے بھائی کی لاش پر

صورت یہ شاہ کی ہی کہ زلفون پہ خاک ہی
سوکھے لبون پہ نعرۂ روحی فداک ہے
آلودۂ غبار الم روئے پاک ہے
اور تا کمر قبا کا گریبان چاک ہے
دست یسار بیٹے کی گردن مین ڈالے ہین
شہ کو جھکے ہوے علی اکبرؑ سنبھالے ہین

جب پانون کانپتے تھے تو کہتے تھے رو کے شاہ
دریا نہ اتنا دور تھا اے میرے رشک ماہ
طاقت بدن کی لے گئے عباسؑ آہ آہ
رستہ غلط کیا ہے کہ کچھ بڑھ گئی ہے راہ
ہے دور یان سے یا مرا بھائی قریب ہی
کہتے ہین وہ "حضور! ترائی قریب ہی"

القصہ لائے باپ کو اکبرؑ ترائی مین
پائی جو بوسے خون برادر ترائی مین
زخمی ملا وہ شیر دلاور ترائی مین
لاشے کے پاس گر پڑے سرور ترائی مین
گذری تھی عمر ہاتھ جسے جوڑتے ہوئے
دیکھا اُسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے

منہ رکھکے منہ پہ بھائی نے بھائی کو دی صدا
کیون تتلیان پھراتے ہو بھائی یہ کیا کیا
اے شیر! اے دلیر! یہ بیکس ترے فدا
عباسؑ! مین حسینؑ ہون دیکھو مجھے ذرا

میرا بھی حلق خشک ہے خنجر کے واسطے
بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

ٹھہرو عنان توسنِ عمرِ روان نہ لو
ساتھی تھکا ہوا ہے رہ کاروان نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جان نہ لو
لگتی ہے چوٹ دل پہ مرے ہچکیان نہ لو
مرجاؤنگا مین ساتھ اگر چھوٹ جائے گا
بھائی مرا تو رشتۂ جان ٹوٹ جائے گا

بولے یہ آنکھ کھول کے عباسؑ نامدار
آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
یہ موت زندگی ہے زہے فخر و افتخار
نکلے جو گل کے سامنے بلبل کی جان زار
دیدار دیکھنے مین نہ آتا تو موت تھی
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

زانوے پاک نور خدا اور سر حقیر
عالم کا بادشاہ کہا اور کہا فقیر
ذرّے کو مہر کردیا اے آسمان سریر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہے دمِ اخیر
پایا یہ اوج مان کی نہ بابا کی گود مین
معراج مل گئی شہ والا کی گود مین

رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
لیکر رسولؐ جام شراب طہور آئے
روشن ہو کیون نہ چشم جو خالق کا نور آئے
ایسا نہو سرور جو بالین پہ حور آئے
عشاق مر بھی جاتے ہین زخمی بھی ہوتے ہین
مین اب تو تندرست ہون کیون آپ روتے ہین

شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہین تم کو سب
عباسؑ چھوڑ جاؤگے اب ہم کو ہے غضب
سر خاک پر پٹک کے یہ بولا وہ جان بلب
اے جان فاطمہؑ جگر سید عرب

کس کس کو روکیے کہ یہ اعدا کے ریلے ہین
صدمہ بڑا یہی ہے کہ حضرت اکیلے ہین

راحت کی راہ ہے سفر گلشن ارم
صدمہ مگر ہے روح پہ اسے قبلۂ اُمم
اب تک تو کب کے مرگئے ہوتے تڑپ کے ہم
الفت یہ آپکی ہے کہ اٹکا ہوا ہے دم
دنیا سے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہین
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہین

یہ کہکے چپ ہوے تھے کہ اُٹھا جگر مین درد
رخسار سرخ سرخ جو تھے ہوگئے وہ زرد
لین کروٹین تو بھر گئی زخمون مین رن کی گرد
مُنہ رکھکے شہ کے پائون پہ کھینچی اک آہِ سرد
دنیا سے انتقال علمدار ہو گیا
سردار فوج بے کس و بے یار ہو گیا

بھائی کے آگے بھائی تڑپ کر جو مر گیا
صدمہ غضب کا سبط نبیؐ پر گذر گیا
خنجر الم کا دل سے جگر تک اُتر گیا
چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
لیتے تھے بوسے جھک کے تن پاش پاش کے
اُٹھ اُٹھ کے گرد پھرتے تھے بھائی کی لاش کے

جھک کر پکارتے تھے کہ بھیا صدا سناؤ
سر رکھ لو میرے زانو پہ گردن ذرا اُٹھاؤ
زینبؑ تمھین بلاتی ہین خیمے کے در پہ جاؤ
کب سے بلک رہی ہے سکینہ کو دیکھ آؤ
باتون ہین پیار کی کہین تم سے گلا نہو
دریا پہ سو گئے ہو سکینہؑ خفا نہو

کیا ہے جو آنکھ بند کیے ہو حیا سے تم
کیا کچھ خفا ہو سبط رسولؐ خدا سے تم
اکثر ہمین بچاتے تھے لون سے ہوا سے تم
ہم لٹ گئے ہین گرد تو جھاڑو قبا سے تم

ہے دوپہر کا وقت برادر یہ دھوپ ہے
سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہے

اکبرؑ نے رو کے عرض یہ کی ای شہ زمان
رونے سے اب ملین گے نہ حضرت کے بھائی جان
لے چلئے گھر مین لاش علمدار نوجوان
ایسا نہو نکل پڑین خیمے سے بی بیان
دریا پہ ننگے سر کہین بنتِ علیؑ نہ آئے
فضّہ کو ساتھ لے کے سکینہؑ چلی نہ آئے

اکبرؑ نے عرض کی کہ چلین اب شہِ زمان
رو کر امام دین نے کہا جائین اب کہان
وان بھی مرے لیئے وہی رونا ہے جو یہان
اپنا بھی گھر ہے اب وہی بھائی رہے جہان
اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
رکھا پسر نے پانؤن پہ سر ہاتھ جوڑ کر

فضہ کھڑی تھی خیمہ کے باہر جو بیخبر
حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا برہنہ سر
پردہ اُلٹ کے خیمہ کا بولی وہ نوحہ گر
سیدانیو اُٹھو علم آتا ہے خون مین تر
اکبرؑ علم لیئے ہین علیؑ کا نشان نہین
کوتل فرس تو آتا ہے وہ نوجوان نہین

ناگاہ سب کو دور سے آیا نظر نشان
تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گر نشان
گویا کہ تھا شبیہ الم سر بسر نشان
ڈوبا تھا خون مین پنجہ پہ نور اور نشان
چھپ جاتا تھا پھریرے میں یوں کانپ کانپ کے
روتا ہے جس طرح کوئی مُنہ ڈھانپ ڈھانپ کے

سمجھے یہ سب کہ بازوے عباسؑ کٹ گئے
سیدانیون کے غم سے لہو اور گھٹ گئے
بچون کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
رنگ اُڑ گئے رخون سے کلیجے اُلٹ گئے

ہر دل پہ برق رنج و غم و یاس گر پڑی
بچون سمیت زوجۂ عباسؑ گر پڑی

اکبرؑ علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر مین حسینؑ آئے
چلاتے تھے کہ بھائی کو بھائی کہان سے پائے
عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہائے ہائے
چھینا اجل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
لو بیبیو! ترائی مین رو آسئے شیر کو

لپٹی تو تھی علم سے سکینہؑ جگر فگار
ہے ہے علیؑ کے لعل کی رانڈون مین تھی پکار
پرچم پہ یون لچکتا تھا پنجہ وہ بار بار
سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سوگوار
تصویر حسرت و الم و یاس بن گیا
رایت بھی نخل ماتم عباسؑ بن گیا

زیر علم تھا زوجۂ عباس کا یہ حال
ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی کہ اے اسد کبریا کے لال
مین سر کو پیٹتی ہون نہین کچھ تمھین خیال
جاتا ہے یون جہان مین کوئی آنکھ موڑ کے
مسکن کیا ترائی مین لونڈی کو چھوڑ کے

پرخون علم کے پاس تھے عباسؑ کے پسر
تکمے کھلے تھے کرتون کے تھراتے تھے جگر
مان نے جو طوق اُتارے تھے اور کان کے گہر
سہما ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر
زلفون پہ گرد تھی تو رخون پر غبار تھا
چہرون سے درد بے پدری آشکار تھا

چھوٹا یہ شہ سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
بابا ہمارے گھر مین کب آئینگے اے چچا
آیا علم پر اُن کے نہ آنے کی وجہ کیا
چھوٹے سے رو کے تب یہ بڑے بھائی نے کہا

ارمان کی مانگ اُجڑ گئی صدمے گذر گئے
بھیا تمھیں خبر نہین بابا تو مر گئے

دوڑا یہ سن کے نہر کی جانب وہ بے پدر
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ نوحہ گر
روکر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اُٹھانے کو جاتے ہین نہر پر

میّت نہ اُٹھ سکے گی تو خالی نہ آئین گے
دامن مین ہم کٹے ہوے ہاتھون کو لائینگے

مثال ۶ - علی اکبرؑ نزع کی حالت مین ہین، اور امام حسین علیہ السلام اُن کے پاس جاتے ہین ع

جس دم سُنی حسینؑ نے یہ جانگزا صدا
ہاتھون سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ اُلٹ گیا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کرون مین کیا

مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
آے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہربان پسر
مادر کا چین، باپ کا آرام جان پسر
خوشرو پسر سعید پسر قدردان پسر
گلگو پسر شہید پسر نوجوان پسر

مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہین مجھے
اے نور عین! کچھ نظر آتا نہین مجھے

مجکو غریب دشت بلا کہہ کے پھر پکار
اے شیر سید الشہدا کہہ کے پھر پکار
اک بار "یا شہ" دوسرا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار

میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
مرجاؤنگا یہین جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہین بیحواس ہون
زخمی ہو قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہون
غمگین ہون مردہ دل ہون حزین ہون اداس ہون
دم توڑو تم تو ہو غضب اور مین پاس ہون
کیونکر قرار آئے دل ناصبور کو
لاؤن کہان سے ڈھونڈھ کے آنکھون کے نور کو

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطان بحر و بر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو مین تر
اُٹھا یہ دل مین درد کہ خم ہو گئی کمر
دیکھا جو زخم منہ کے قریب آ گیا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفون مین کہ شبیرؑ مر گئے

ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہ رسولؐ رب
آنسو بہا کے رکھدیے بیٹے کے لب پہ لب
چلاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو ہے غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
باہین اُٹھا کے باپ کی گردن مین ڈال دو

اکبرؑ نے آنکھین کھول کے دیکھا رُخِ پدر
گالون پہ اشک آنکھون سے ٹپکے اِدھر اُدھر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سر پسر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
یان سے اُٹھا کے آلِ پیمبر مین لے چلین
غم مان کا ہے تو آؤ تمھین گھر مین لے چلین

کی عرض مہلت اتنی کہان اے شہِ اُمم
اب کیجیئے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھ لیئے آپ کے قدم
غیر از غم فراق مجھے کچھ نہین ہے غم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہین
روتا ہون اس لیئے کہ اکیلے حضور ہین

شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ رو و بس ہوگا جہان سے جانے مین تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس میرے لئے ہوا ہے غم خنجر ہر اک نفس
اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

یہ بات سُن کے لینے لگا ہچکیاں پسر سوکھی زبان دکھائی کہ پیاسا ہون ای پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دنیا سے انتقال ہوا نور عین کا
ہنگام ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی ادھر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار یان بیبیان ہوئین در خیمہ پہ بے قرار
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ ایک بار اکبرؑ پہ کیا گذر گئی اے شاہِ نامدار
چھریان غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہین
جلد آئیے کہ حضرت زینبؑ نکلتی ہین

گھبرا کے شاہ دین نے اُٹھائی پسر کی لاش لپٹائے تھے کلیجے سے لخت جگر کی لاش
لائے قریب خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشک قمر کی لاش
زہراؑ کی بیٹیان جو کھلے سر نکل پڑین
سب بیبیان خیام سے باہر نکل پڑین

سر ننگے شہ کے گرد تھین سیدانیان تمام تھے بیچ مین شہید کا لاشہ لیے امام
بانو پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام جیتا ہے یا جہان سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹون پہ سوکھی زبان ہی
ای جان فاطمہؑ مرے بچے مین جان ہے؟

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
یہ لاش میری گود مین دیجیے بہن نثار
طاقت نہین ہے آپ مین یا شاہِ نامدار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقون سے جسمِ زار

شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن نہ اُٹھے گا لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمہ مین لائے امام پاک
مسندِ رسولِ حق کی بچھائی بروئے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
دل بی بیون کے ہوگئے سینے مین چاک چاک

پہلے گمان تھا غش مین وغا کر کے آئے ہین
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہین

لاشے کے پاس ہائے پسر کہکے مان گری
ہاتھون سے دل پکڑ کے پھوپھی نیمجان گری
دل پہ ہر اک کے برقِ غمِ نوجوان گری
غش ہوکے یان گری کوئی اور کوئی وان گری

چھوٹی بہن جو لاشے سے آکر لپٹ گئی
اک حشر ہوگیا صفِ ماتم اُلٹ گئی

مثال ہے حضرت علی اکبرؑ نزع کی حالت مین امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہین اور وہ بدحواس قتل گاہ کی طرف جاتے ہین اُس وقت کی اضطرابی حرکات اور باپ بیٹے کی گفتگو ہے

سُن کر یہ استغاثۂ فرزندِ خوش خصال
سیّد نے آہ کی کہ ہلا عرشِ ذوالجلال
کھولے جناب فاطمہؑ کی بیٹیون نے بال
بانوؑ پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال

ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب بتاؤ کیا مری بستی اُجڑ گئی

تیرے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
کرتے ہین کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن مین تڑپ کر پدر پدر
اب گھر سے مین نکلتی ہون ہے ہے مرا پسر

پردا نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہون مین
آواز یہ اُسی کی ہے پہچانتی ہون مین

بانوؑ کو قسمین دے کے چلے شاہ نامدار
دل تھا اُلٹ اُلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
اُٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہین
گھبرائیو نہ اے علی اکبرؑ ہم آتے ہین

آؤن کدھر کو اے علی اکبر جواب دو
اکبرؑ برائے خالق اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر جواب دو
بیٹا جواب دو مرے دلبر جواب دو
گرتے ہین ہم ثواب کا ہاتھون سے کام لو
بیٹا ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

کچھ سوجھتا نہین مین کدھر جاؤن کیا کرون
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤن کیا کرون
اے نور چشم تجھکو کہان پاؤن کیا کرون
کیونکر پسر کو ڈھونڈ کے مین لاؤن کیا کرون
پایا تھا مدتون مین جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل مین آن کے

بس اب خبر حسینؑ کی لے جلد اے اجل
اے جان ناتوان تن مجروح سے نکل
اے جسم زار زیست کا باقی نہین محل
ہان اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اُس کا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبرؑ کے پاس ہو

جنگل سے بیحواس پھرے نہر پر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
وان بھی جو وہ گہر نہ ملا سوے بر گئے
نتھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے

ٹپکا ہوا زمین پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسر ماہرو ملا

جا کر صفوں کے پاس پکارے بااشک و آہ
ہے کس طرف مرے علی اکبرؑ کی قتل گاہ
اے ظالموں یہ شب ہے کہ دن ہوگیا سیاہ
کس بن میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ جان سے کہ نہیں جسم زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں

لاش پسر کو ڈھونڈھتے تھے شاہ بحر و بر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہل شر
کہتا تھا شمر اے پسر سید البشر
کس کو حضور ڈھونڈھتے ہیں مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسد پاش پاش کو
بتلائینگے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو

یہ سن کے کھینچ لی شہ والا نے ذوالفقار
چمکی جو برق تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبرؑ کا راہوار
چلائے اے عقاب کدھر ہے ترا سوار
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نور عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشم نم
ہے ہے اسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام کے لوں میں اسیر غم
اکبرؑ کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم
ہے ہے وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے
قربان تری لگام کے صدقے رکاب کے

گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر
یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے ادھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بچشم تر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطان بحر و بر

جنگل میں لاشۂ پسر نوجوان ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جان ملا

دیکھی عجیب حالتِ فرزند نوجوان
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سنان
پیکان گلے میں ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زبان
گردن بھی کج پھری ہوئی آنکھوں میں تلیان

ٹاپوں سے مرکبوں کے جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں وا کر کے چشم تر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے جان جسم زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا جاتا ہے جگر

پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
زندہ رہے یہ پیر جوان یوں جہان سے جائے
حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے
اے لال تین روز کے فاقے میں زخم کھائے

شاید جگر کے زخم سے تم بے قرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی پہ بابا نثار ہو

کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گلعذار
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بیقرار
کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار
بیٹا تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار

بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبرؑ تمھاری ماں نہ جیے گی فراق میں

غش میں سنا جو ہیں علی اکبرؑ نے ماں کا نام
سوکھی زبان دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوئے خیام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام

اب اور کوئی دم کا پسر میہمان ہے
امداد یا حسینؑ کہ پانی مین جان ہے

فرمایا شہ نے ای علی اکبر مین کیا کرون
گھیرے ہین نہر کو یہ ستمگر مین کیا کرون
پانی نہین ہے مجھکو میسر مین کیا کرون
کچھ بس نہین مرا مرے دلبر مین کیا کرون
اعدا نہ دین گے بوند اگر لاکھ کد کرین
بیٹا تمھاری ساقی کوثر مدد کرین

حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
ہچکی جو آئی تھام لیا ہاتھ سے جگر
اتنی زبان ہلی کہ خدا حافظ اے پدر
انگڑائی لیکے رکھدیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا باپ کے سامنے

لکھتا ہے ایک راوی غمگین و پر ملال
نکلی حرم سے ایک زن فاطمہؑ جمال
یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
گویا جناب سیدہ کھولے ہوے تھین بال
تھی اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

چلاتی تھی ارے مرا پیارا ہے کس طرف
اے ابر شام چاند ہمارا ہے کس طرف
اے آسمان وہ عرش کا تارا ہے کس طرف
اے ارض کربلا وہ سدھارا ہے کس طرف
ہے ہے سنان سے جان گئی میہمان کی
میت کدھر کو ہے مرے کڑیل جوان کی

اے میرے لمبے گیسوؤن والے کدھر ہو تو
واری کہان لگے تجھے بھالے کدھر ہے تو
ہے ہے مرے غریب کے پالے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپھی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو

اٹھارواں برس تھا کہ موت آگئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

ہے ہے مرے سعید و رشید و متین جوان
صفدر جوان شکیل جوان نازنین جوان
خوش رو جوان غریب جوان مہ جبین جوان
کس نے تجھے مروڑ لیا اے حسین جوان

آغاز خط میں سین ابھی ایسے مسن نہ تھے
بچے مرے ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
جاتی تھی بیچ اس ادھر سے وہ نوحہ گر
سیدانیوں کا غول تھا پیچھے برہنہ سر
آئے اُدھر سے لاش لئے شاہ بحر و بر

دیکھا لہو رواں جو تن پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبرؑ کی لاش سے

مناظر قدرت

عربی اور فارسی میں مناظر قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے، اور اُردو میں تو گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ تھا، میر ضمیر نے سب سے پہلے اس پر طبع آزمائی کی، لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے، اس لئے اصلی حالت نہ ادا کر سکے، میر انیس نے اس صنعت پر اگرچہ صرف دو تین مرثیے لکھے ہیں لیکن جو کچھ لکھا ہے، کمال کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔

صبح کا سماں

طے کر چکا جو منزل شب کاروانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح
ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح

پنہان نظر سے روئے شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقابِ شب — در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
انجم کی فرد فرد سے لے کر حسابِ شب — دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب

گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطانِ غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یون گلشن فلک سے ستارے ہوئے عیان — چُن لے چمن سے پھولون کو جسطرح باغبان
آئی بہار مین گلِ مہتاب پر خزان — مرجھا کے رہ گئے ثمرِ شاخ کہکشان

دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور — یادِ خدا مین زمزمہ پردازی طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور — خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

اِنسان زمین پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکر قدرت حق ہر زبان پہ

وہ سرخی شفق کی اُدھر چرخ پر بہار — وہ بارور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کی وہ گلون پہ گہرہائے آبدار — پھولون سے سب بھرا ہوا دامان کوہسار

نافے کھلے ہوے وہ گلون کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمین رشک آسمان — تھا دور دور رنگ شب مہتاب کا سمان
چھٹکے ہوئے ستارون کا ذرون پہ تھا گمان — نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان

سرسبز جو درخت تھا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایک اور موقع پر لکھتے ہین ؎

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح ۔ گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح ۔ سرگرم ذکر حق ہوے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھوکون کا دمبدم ۔ مرغان باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
وہ آب و تاب نہر وہ موجون کا پیچ و خم ۔ سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار ۔ تھے طائرون کے غول درختون پہ بیشمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار ۔ کوکو وہ قمریون کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سمان ۔ تھا جسکی ضو سے وجد مین طاؤس آسمان
ذرون کی روشنی پہ ستارونکا تھا گمان ۔ نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان
ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد ۔ مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد

رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد　　یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

ایک اور موقع پر بھی یہی سماں باندھتے ہیں ع

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور　　وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوان طیور
گلشن خجل تھے وادیٔ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک　　شرمائے جس سے اطلس زنگاریٔ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک　　ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا　　دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل وہ نالۂ مرغان خوش نوا　　سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار　　پھولوں پہ جا بجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار　　بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریون کا چار طرف سرو کے ہجوم | کوکو کا شور، نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علے العموم | جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کی تھی رسوم

کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح

چیونٹی بھی خاک اُڑا کے یہ کہتی تھی بار بار | ای دانہ کش ضعیفون کے رازق ترے نثار
یا حی و یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار | تسبیح تھی کہین، کہین تہلیل کردگار

طائر ہوا مین مست، ہرن سبزہ زار مین
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

گرمی کا سمان

گرمی کا سمان شعراے فارس نے باندھا ہے، لیکن نہایت مبالغہ اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہے۔ طالب آملی کا ایک قصیدہ ہے جسمین قصیدہ کی تشبیب گرمی کے بیان سے شروع کی ہے ؎

چنان بخار زمین تیرہ ساخت آب زلال | کہ قطرہ بر لب جوی کند نیابت خال
ہواے مہر تفسید گی چنان گردید | کہ شعلہ را ز نسیم است بیم اضمحلال

مرزا صائب ایک قصیدہ مین گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوے لکھتے ہین ؎

نیست این فوارہ ہر سو جلوہ گر در حوض ہا | کردہ است از تشنگی بیرون زبان خویش آب

ایک اور شاعر نے فرضی توجیہ خوب کی ہے ؎

گردباد از پئے آن می جہد، از جا کہ براہ | پاے می سوزدش از بسکہ زمین شد سوزان

میر انیس بھی اگرچہ رواج عام کے اثر سے نیچرل حالت سے جا بجا تجاوز کر گئے ہین تاہم ان کا اصلی جوہر بھی نمایان ہے ؎

وہ لون، وہ آفتاب کی حدت، وہ تاب و تب ۔ کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب ۔ خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آب روان سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور ۔ جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھے سات پردون کے اندر عرق مین تر ۔ خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑجائین لاکھ آبلے پاے نگاہ مین

کوسون کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار ۔ ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل، نہ لہکتا تھا سبزہ زار ۔ کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے ۔ آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے ۔ گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان ۔ انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان ۔ تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمی روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تپ کی تاب	چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب	کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب

بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

جو لوگ کہتے ہین کہ میر انیس کے ہان خیال آفرینی اور مضمون بندی نہین ہے وہ ان اشعار مین سے اُن شعرون کو دیکھین، جہان نیچرل حالت سے ہٹ کر، مبالغہ اور تکلف پیدا ہو گیا ہے۔

منظر

(یعنی سین)

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی مین سین کہتے ہین، واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔

عام واقعہ نگاری اور سین مین یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری مین ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے، بخلاف اس کے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے مثلاً اس شعر مین ؎

لو ن چلتی ہے خاک اُڑتی ہے ظہر کا ہنگام	تنہا یہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

لو ن کا چلنا۔ خاک کا اُڑنا۔ ظہر کا وقت ہونا، فوجون کا اُمنڈنا، ہر چیز کو الگ الگ لیا جائے تو واقعہ ہے، اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنف کو جس کمالات تک پہنچایا اردو کیا فارسی مین بھی اسکی بہت کم مثالین ملتی ہین، ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین۔

مثال ١۔ حُر نزع کی حالت مین ہے، امام حسین علیہ السلام اُس کے سرہانے موجود ہین، اُس وقت کی حالت اور گفتگو

نزع کی حالت

قبلہ رو کیجیے لاشہ مرا اے قبلۂ دین
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دم بازپسین
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشین
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزین
بات بھی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجیے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیر کے لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے اے بھائی!
چل بسے حُرِّ جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیاں رہ گئین پھر کر شہِ والا کی طرف

مثال ٢۔

گرمی کی شدت مین لوگون کی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑونکی راہ سخت
پانی نہ منزلون نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوے پسینون مین ہین عازیون کے رخت
سونلا گئے ہین رنگ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائین چاند سے چہرون پہ ڈالے ہین
ٹوٹتے ہوے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر
صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
رنجِ مسافرت مین ہین سلطانِ بحر و بر
لب برگِ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر
آتی ہے خاک اُڑ کے یہین دیار سے
گیسوے مشکبار اَٹے ہین غبار سے

اہل حرم ہین ہودج و محمل مین بیقرار
معصوم پانی مانگتے ہین رو کے بار بار
بانو پکارتی ہے کہ اے شاہ نامدار
گرمی سے جان بلب ہے مرا طفل شیرخوار
کیونکر یہ دکھ اُٹھے چھ مہینے کی جان سے
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے

چلاتی ہے سکینہؑ کہ اچھے مرے چچا
محمل مین گھٹ گئی مجھے پانی تو دو ذرا
بابا سے کہدو اب کہین خیمہ کرین بپا
ٹھنڈی ہوا مین لیکے چلو تم پہ مین فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوائین ہو مری حالت خراب ہے

مثال ۳۔

صغیر السن بچہ نزع کی حالت مین

راوی نے یہ لکھا ہے کہ اسدم بہ حال زار
لائے حسینؑ ہاتھون پہ اک طفل شیرخوار
دن کو ہوا قرانِ مہ و مہر آشکار
مرجھا گیا تھا پیاس سے لیکن وہ گلعذار
تھا فرط غش سے ننھا سا منکا ڈھلا ہوا
باندھے ہوے تھا مٹھیان اور منہ کھلا ہوا

چھوٹا سا ایک سبز عمامہ تھا دوش پر
ماتھا جھنڈولے بالون مین ہالے مین جون قمر
جُٹی بھوین وہ جن پہ تصدق دل و جگر
آنکھین تو نرگسی پہ نقاہت زیادہ تر
سایہ مین دامن خلفِ بوتراب کے
رخسار تھے کہ پھول کھلے تھے گلاب کے

پھیلا ہوا وہ آنکھون مین کاجل اِدھر اُدھر
خشکیدہ ہونٹھ موے مژہ آنسوؤن سے تر
باچھون سے تھا نمود جمے دودھ کا اثر
ہاتھون مین نیلے ڈورے تھے ہیکل تھی سینہ پر

ننھے سے دل کو ماں کے بچھڑنے کا درد تھا
رن کی ہوائے گرم سے جسم اس کا سرد تھا

کرتا بدن میں آتا تھا اس رنگ سے نظر
پڑتی ہے اوس پھولوں پہ جیسے دم سحر
سینہ تھا صاف صورت آئینہ جلوہ گر
گرمی سے ہوگیا تھا شلوکہ عرق میں تر

چھاتی میں دمبدم جو دم اس کا اٹکتا تھا
گھبرا کے ننھے ہاتھوں کو دیدے سے پٹکتا تھا

مثال ۴

فوجوں کی آمد اور جنگ کی طیاری

ہے شور آمد آمد فوج فلک سریر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لئے شریر
حضرت کی پیشکش کو کمانیں ہیں اور تیر

پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

سقے گئے ہیں شام کے حاکم کے جابجا
ہر پرگنہ سے ہے طلب لشکر جفا
آ آ کر اترتی جاتی ہیں فوجیں جدا جدا
لیتا ہے جائزہ عمر سعد بے حیا

غل ہے کریںگے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام میں ملے گا دو ماہہ سپاہ کو

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار
ہے جابجا درستی اسباب کارزار
ہوتے ہیں لیس تیروں کے دستے کئی ہزار
خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار

نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

ولہ

نقارہ وغا پہ لگی چوب یک بیک
اٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگے فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک
قرنا پھنکی کہ گونج اٹھا دشت دور تک

شور دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

حد سے فزون تھی کثرت افواج نابکار
نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغ آبدار
ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خارزار
ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان بہم تھے جیسے ہون گل بے کھلے ہوے
گوشون سے تھے کمانون کے چلے جڑے ہوے

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
تھے برچھیون کی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین ہے تلخی اجل
وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو سر کے بل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خودپسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوے حلقے کمند کے

مثال ۵

سفر کی طیاری -

آراستہ ہین بہر سفر سرو قبا پوش
عمامے سرون پر ہین عبائین ہین بسر دوش
یاران وطن ہوتے ہین آپس مین ہم آغوش
حیران کوئی تصویر کی صورت کوئی خاموش

مُنہ ملتا ہے رو رو کر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

ہم سنون کی وداعی ملاقات

عباسؑ کا منہ دیکھکے کہتا ہے کوئی آہ
کہتے ہین گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
اب آنکھون سے چھپ جائیگی تصویر یداللہ
واللہ دلون پر ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگون سے شیرین سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خُلقِ حسنی کون کرے گا

روتے ہین وہ جو عونؑ و محمدؑ کے ہین ہم سن
اس داغ سے چین آئے ہمین یہ نہین ممکن
کہتے ہین کہ مکتب مین نہ جی بہلیگا تم بن
گرمی کا مہینہ ہے سفر کے یہ نہین دن
تم حضرت شبیرؑ کے سایہ مین پلے ہو
کیون دھوپ کی تکلیف اُٹھانے کو چلے ہو

ہم جولیون سے کہتے ہین وہ دونون برادر
پالا ہے ہمین شاہ نے ہم جائین نہ کیونکر
ہان بھائیو تم بھی ہمین یاد آؤگے اکثر
ماموں رہین جنگل مین تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حق غلامی سے ادا ہون
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہون

رخصت کے لئے لوگ چلے آتے ہین باہم
ایسا نہین گھر کوئی کہ جس مین نہین ماتم
ہر قلب حزین ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
غل ہے کہ چلا دلبر مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہین قبر نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسول عربیؐ کے

سفر کی طیاری اور سواری کی تقسیم

تدبیر سفر مین ہے اُدھر سبط پیمبرؐ
اسباب منگواتے ہین عباسؑ دلاور
گھر مین کبھی آتے ہین کبھی جاتے ہین باہر
تقسیم سواری کے تردد مین ہین اکبرؑ
شہ کو جنھین لیجانا ہے وہ پاتے ہین گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہین گھوڑے

حاضر در دولت پہ ہین سب یاور و انصار — کوئی تو کمر باندھتا ہے اور کوئی ہتیار
ہودج بھی کسے جاتے ہین محمل بھی ہین تیار — چلاتے ہین دربان کوئی آئے نہ خبردار
ہر محمل و ہودج پہ گھٹا ٹوپ پڑے ہین
پردے کی قناتین لیے فراش کھڑے ہین

عورتین کیو
ہوتی ہین

عورات محلہ چلی آتی ہین بصد غم — کہتی ہین یہ دن حلت زہراؑ سے نہین کم
پرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم — فرش اُٹھتا ہے کیا بچھتی ہے گویا صف ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

عورتون کا آج
سفر کے دن

لے لے کے بلائین یہی سب کرتی ہین تقریر — اس گرمی کے موسم مین کہان جاتے ہین شبیرؑ
سمجھاتی نہین بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر — مسلمؑ کا خط آلے تو کرین کوچ کی تدبیر
اللہ ابھی قبر پیمبرؐ کو نہ چھوڑین
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑین

اُجڑے گا مدینہ جو یہ گھر ہو ویگا خالی — بربادی یثرب کی بنا چرخ نے ڈالی
کیا جانین کہ پھر آئین نہ آئین شہ عالی — حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہراؑ ہین نہ حیدرؑ نہ پیمبرؐ نہ حسنؑ ہین
اب اُن کی جگہ آپ ہین یا شاہ زمن ہین

گرمی کے یہ دن اور پہاڑون کا سفر آہ — ان چھوٹے سے بچون کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقت سے کہان ہین کبھی آگاہ — ان کو تو نہ لیجائین سفر مین شہ ذیجاہ
قطرہ بھی دم تشنہ دہانی نہین ملتا
کوسون تلک اس راہ مین پانی نہین ملتا

منہ دیکھ کے صغرا کا چلا آتا ہے رونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
لکھا تھا اسی سن میں مسافر انھیں ہونا

کیا ہوگا جو میدان میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائینگے ان ہاتھ ملے گی

اُن بیبیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
بہنوں ہمیں یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہوکے مگر رہ نہیں سکتی

مثال ۶

گرمی اور گرمی کی شدت میں زن و مرد اور بچوں کی حالت

گرمی کی شدت

مخفی تھے شرر شدتِ گرما سے حجر میں
نہ بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں
چلتی تھی یہ لوں آگ بھڑکتی تھی جگر میں
جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں

پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے
ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے
ناری تھی ہوا، سبز شجر زرد تھے سارے
دھڑکا تھا کہ یہ لوں کسی بچے کو نہ مارے

ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

تھا مہر کی شدت سے یہ حال شہ ابرار
تحمید میں جنبان تھے لب لعل گہر بار
ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سرخ تھے رخسار
بھر کر نفس سرد یہ فرماتے تھے ہر بار

[illegible]

اک پھول بھی زہراؑ کے چمن میں نہ ملے گا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا

گرمی سے یہ تھا حضرت عباسؑ کا عالم — منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورت ضیغم
چہرہ بھی عرق ناک تھا، اور طبع بھی برہم — فرماتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر شہ عالم
تم شیر ہو راحت تمھیں بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یوں اکبرؑ مہرو تھے پسینے میں نہائے — جیسے تپ محرق میں، جواں کو عرق آئے
جب پھکنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ لائے — رب دو جہاں حشر کی گرمی سے بچائے
گزریگا ہر اک دم تپش دل سے قلق میں
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہونگے عرق میں

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم — محمل میں گھٹا جاتا ہے، گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی ہوں یہ پسینے کا ہے عالم — برسے گی یونہیں آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہیں ابر کرم آپ کرم کیجیے بابا
سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجیے بابا

سن کر یہ بھتیجی کی صدا حضرت عباسؑ — کہتے تھے چچا صدقے ہو، رو و نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس — دم گھٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مرے پاس
تکلیف تمھاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

مشکیں لیے سقے جو سواری کے تھے ہمراہ — بھر لاتے تھے پانی پئے فوج شہ ذیجاہ
جس طرح کہ پیاسوں کا ہو مجمع بہ سر راہ — پانی پہ گرے پڑتے تھے یوں شہ کے ہواخواہ

جنگل میں عطش کا جو تھا صدمہ کہ و مہ پر
چہرہ پہ چھڑکتا تھا کوئی، کوئی زرہ پر

گرمی سے بچنے کی تدبیریں

بھرتا تھا دمِ سرد پریشان کوئی ہو کے — دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لون سے ردا چہرہ پہ رو کے — رکھ لیتا تھا سر پر کوئی رومال بھگو کے

پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

کہتے تھے قرین ناقون کے آکر شہ ابرار — حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار
آندھی ہے گھٹا ٹوپ اُڑے جاتے ہیں ہر بار — اے بنت ید اللہ سکینہؑ سے خبردار

رستہ یہ پہاڑون کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچون کو چھپائے رہو لون آج بڑی ہے

محمل سے نظر کرکے ید اللہ کی جائی — کہتی تھی کہ اللہ نے یہ شکل دکھائی
جس دن سے چھٹا گھر کہیں راحت نہیں پائی — فریاد بہن دھوپ میں سونلا گئی بھائی

کیا بن گئی جنگل میں امام دوسرا پر
سایہ بھی درختون کا نہیں ظل ہما پر

صدقے گئی جنگل کی نہ اب دھوپ میں چلئے — دن کاٹیے سایہ میں کہیں رات کو چلئے
دم لیجئے منہ دھوئیے پوشاک بدلئے — لون چلتی ہے آفت کی پہاڑون سے نکلئے

ناشاد بہن آپ کی غربت پہ فدا ہو
بچہ کوئی گر تونس کے مر جائے تو کیا ہو

مثال ۷ ۔

لڑائی کی طیاری

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوے ابن شہ نجف
سینوں کو غازیوں نے اُدھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر ایک رشک ماہ کو
جوش آگیا دغا کا حسینی سپاہ کو

غصے سے آفتاب ہوے ہوشوں کے رنگ
فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہوئی اُمنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برای جنگ
بیچین ہو گئے فرس ابلق و سرنگ
پاس ادب سے شاہ کی صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

تنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
ٹکڑے اُڑائیں گے عمر و شمر شوم کے
نامرد جو ہیں آنکھ چُراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کرکے پھریں گے نبرد سے

دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
بل کھا کے زلف رخ پہ کسی کے اکڑ گئی
چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
مُنہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نِکلا کوئی سمند کو رانوں میں داب کے
غُصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اِک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

سنتے ہی یہ کلام جو انان نامور ؂
کٹتے تھے نیچے لیے وہ غیرتِ قمر
لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھکر
یارب شکست کو فیون کو دے ہمین ظفر

سرکے نہ پھر وغا مین جو بڑھ کے قدم گڑے
جاکر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

مثال ۸۔

بیکسی اور تنہائی

حضرت پہ اُدھر ہوتی ہو اعدا کی چڑھائی
سیدانیان دیتی ہین محمدؐ کی دہائی
تنہا ہین نہ بیٹا نہ بھتیجا ہے نہ بھائی
اعدا مین یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی

ڈوبے ہوے خون مین شہدا گرد پڑے ہین
گھوڑے پہ اکیلے شہِ ابرار کھڑے ہین

ہے تابش خور سے عرق افشان رخِ گلفام
دن ڈھلتا ہی خاک اُڑتی ہو ہے ظہر کا ہنگام
لب خشک ہین پانی کا میسر نہین اک جام
تنہا پہ چلی آتی ہے اُمنڈی سپہ شام

یہ شوقِ شہادت ہے شہنشاہِ زمن کو
بوچھار سے تیرون کے بچاتے نہین تن کو

ہین اگ مین تیغون کے کھٹکے پہ نہین کچھ غم
ہین گرد بیابان مین اٹے گیسوے پُرخم
اُمت پہ نہ آنچ آئے دعا ہے یہی ہر دم
نیلے ہین لب لعل یہ ہے پیاس کا عالم

بو آتی ہے دریا سے برادر کے لہو کی
چھینٹین ہین قبا پر علی اکبرؑ کے لہو کی

ذکر غم عباسؑ کبھی اصلا نہین کرتے
خون علی اکبرؑ کا بھی دعوا نہین کرتے
غیرت سے نظر جانب دریا نہین کرتے
اُمت کے یہ ہین ظلم پہ شکوا نہین کرتے

پانی کے بھی طالب نہین گو تشنہ دہن ہین
کلمے ہین نصیحت کے محبت کے سخن ہین

مثال ۹ -

فوج کا داخلہ اور طیاری جنگ

خیمہ ہین اُترے یان تو شہِ عرش بارگاہ
آ آکے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسون علم کھُلے تھے جدھر کیجیئے نگاہ
یان تک کہ بند ہو گئی چارو نطرف سے راہ
فوجون سے تا بہ صبح زمین رن کی بھر گئی
اِک رات مین چڑھی ہوئی ندی اُتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
آپہونچا شام سے پسرِ سعد نحس و شوم
جسکی جلو مین لاکھ سوارون کا ہے ہجوم
اکثر ہین یکہ تاز جوانانِ شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوئیگا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوے نشان
اُمڈا زمین پہ ظلم کا دریاے بیکران
موجونکی طرح سب تھین صفین پیش و پس رَوان
لہراتے تھے ہوا سے علم مثلِ بادبان
ہلتا تھا دشت کین دہل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیونکے دَل
خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا باز و پر دغل
شکلین مہیب دیو سے قد ابروون پہ بل
بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار	غل ہوگیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار	"آگے بڑھے چلو" یہ نقیبوں کی تھی پکار

گھوڑوں کے گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زرین کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

مثال ۱۰ - حضرت عباسؑ نہر سے مشک بھر چکے ہیں اور واپس آنا چاہتے ہیں، دشمن دیکھکر ہر طرف سے لوٹ پڑتے ہیں، حضرت عباسؑ اس کشمکش میں ہیں کہ آپ کو بچائیں یا مشک کو سنبھالیں، اس وقت کے مضطربانہ حرکات کی تصویر۔

۵

اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس کو دے جواب	شل ہوگیا تھا بازوے فرزند بوتراب
کہتا تھا ہات اُٹھنے کی مجھ میں نہیں ہے تاب	لڑنے کی فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکِ آب

پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
لیکن سپر سے مشکِ سکینہؑ بچاتے تھے

برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی	اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے اُدھر کبھی
چھاتی تلے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی	سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی

رہوار پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
روتے تھے بازوؤں کو علیؑ چوم چوم کے

تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسمان کبھی	ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی زبان کبھی
لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سنان کبھی	جھکتے تھے خود فرس سے کبھی اور نشان کبھی

گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داب کے
قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے

چھینٹیں لہو کی اُڑ کے جو پڑتی تھیں مشک پر
یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر
دامن سے پوچھتے تھے علمدار نامور
شُفقت مگر علم کا لہو سے نہ ہووے تر

اقبال بادشاہِ زمین و زمان رہے
دنیا میں میں رہوں نہ رہوں یہ نشان رہے

ولہ

گر کر کبھی اُٹھے، کبھی رکھا زمیں پہ سر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
اُبلا کبھی لہو، تو سنبھالا کبھی جگر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر

اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑ گئے، جب منہ کے بھل گرے

مثال ۱۱-

پردہ کا اہتمام

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بہ تکرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہیں رسولؐ دوسرا کے
شُقّہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے
آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
دیتے رہو آواز بہانا تک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

آپہونچی جو ناقہ کے قرین دخترِ حیدرؑ
فضہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے سبطِ پیمبرؐ
تھے پردۂ محمل کو اُٹھائے علی اکبرؑ
فرزند کمربستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عباسؑ کھڑے تھے

مثال ۱۲-

مستورات کا محمل سے اُترنا

جمازۂ زینبؑ جو قرین ڈیوڑھی کے پہونچا
گرد آکے کیا قاسم و عباسؑ نے پردا
کرسی سے اُٹھے آپ شہِ یثرب و بطحا
محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہراؑ
اِک ہاتھ علی اکبرؑ ذی جاہ نے تھاما
اِک ہاتھ جگربند ید اللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے ہوئے اُتریں
شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں
آنسو رخِ انور پہ بہائے ہوئے اُتریں
پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں

مثال ۱۳-

عون و محمد میدانِ جنگ میں لڑ رہے ہیں، سیدانیاں دروازہ پر بدحواس کھڑی ہیں، حضرت زینبؑ فضہ سے پوچھتی ہیں کہ میرے بچے کیا کر رہے ہیں؟ وہ جواب دیتی ہے ؎

سیدانیاں دروازہ پہ تھیں کھولے ہوئے سر
فضہ تھی پریشان کئے موئے خیمے کے اندر
اصغرؑ کو لئے کانپتی تھی بانوئے بے پر
پردہ سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر
بتلا مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

وہ رخ پہ نظر آتے ہیں اُڑتے ہوئے گیسو
وہ تیغ بجلی کیطرح گرتے ہیں ہر سو

ڈھالین لئے وہ بھاگتے پھرتے ہین جفاجو	وہ ابر مین چھپ چھپ کے نکل آتے ہین مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیون سے چور ہین دونون
کس طرح پکارون کہ بہت دور ہین دونون

مثال ۱۴ - حضرت عباسؑ نہر کے کنارے پہنچے ہین۔ گھوڑا کئی دن کا پیاسا تھا۔ پانی دیکھ کر بیتاب ہوگیا ہے۔ لیکن چونکہ تمام قافلہ پیاسا ہے، حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین۔ اس وقت گھوڑے کی حالت ہے۔

دو دن سے بیزبان پہ جو تھا آب و دانہ بند	دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھنے سمند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند	چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

مثال ۱۵ - حضرت امام حسین علیہ السلام کا میدان کربلا مین داخلہ، رفقا سے خطاب، اور نوجوانون کی سیر و تفریح ہے۔

اترا یہ کہہ کے کشتی امت کا ناخدا	جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا	دیکھو تو کیا ترائی ہے؟ کیا نہر؟ کیا فضا

اکبر شگفتہ ہوگئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند	کیون یہ مقام ہے تمھین شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ اے شاہِ ارجمند	بس یان تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند

شبیر اب یہین رہینگے عنایت جو رب کی ہے
مین کیا کہون حضور، ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام — گویا زمین کی سیر کو اترا مہ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام — تمکین وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفیں ہوا میں اڑتی تھیں، ہاتوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

مثال ۱۶-

تمام رفقا کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ کی بیکسی اور دشمنوں کا نرغہ

مومنو خانۂ زہرا پہ تباہی ہے آج — گھر پہ سادات کے پانی کی مناہی ہے آج
تن تنہا خلف شیر الٰہی ہے آج — خلق سے سبط نبیؐ خلد کو راہی ہے آج
قتل کی بیکس و مظلوم کی تدبیریں ہیں
اک نبیؐ زادہ ہے اور سیکڑوں شمشیریں ہیں

نیزے تانے ہوئے اڑتے چلے آتے ہیں سوار — ہیں کماندار پرا باندھے ہوئے تیس ہزار
تیغیں کھینچے ہوئے چو گرد کھڑے ہیں جو سوار — غل ہے مہلت نہ ملے سبط نبیؐ کو زنہار
برق شمشیر ہر اک جا پہ چمک جاتی ہے
جس طرف دیکھتے ہیں موت نظر آتی ہے

نہ ہے غمخوار نہ ہمدرد نہ یاور کوئی — نہ بھتیجا ہے نہ بیٹا نہ برادر کوئی
نہیں اتنا ہے خبر پوچھے جو آ کر کوئی — ایک اللہ تو ہے اور نہیں سر پہ کوئی
تھے جو غمخوار وہ ریتی پہ پڑے سوتے ہیں
اپنی تنہائی پہ شاہ دو جہاں روتے ہیں

جسم پر تیغ لگاتا ہے کوئی اور کوئی تیر — خون میں سر تا بقدم تر ہیں جناب شبیرؑ
رو کے فرماتے ہیں اعدا سے کہ اے قوم شریر — کیا گنہ ہے مجھے کیوں مارتے ہو بے تقصیر

یون ستاؤ نہ کہ ہین مرگ پہ آمادہ ہون
رحم لازم ہے کہ سید ہون نبیؐ زادہ ہون

کوئی سنتا نہین فریاد امام عالی
ماہِ زہراؑ پہ فلک نے یہ مصیبت ڈالی

برچھیان چلتی ہین اور ہوتے ہین ترکش خالی
خون مین تر زلفین ہین یا نتک ہی پریشان حالی

زخم تلوارون کے خاموش کھڑے کھاتے ہین
غش مین جھکتے ہین کبھی گاہ سنبھل جاتے ہین

لاشۂ اکبرؑ و عباسؑ جو آتا ہے نظر
روکے فرماتے ہین بیٹے سے کہ ای جانِ پدر

تھام لیتے ہین کلیجہ کبھی اور گاہ جگر
ایسے غافل ہو کہ لیتے نہین بابا کی خبر

مرے پیارے مرے جانے مرے دلبر اٹھو
ہم پہ تنہائی ہے اُٹھو علی اکبرؑ اٹھو

لاشِ عباسؑ سے کہتے ہین بصد یاس بیان
وقت امداد و اعانت ہے برادر قربان

اے مرے یار وفادار مرے شیر جوان
چھوڑ کر ہمکو لعینون مین سدھارے ہو کہان

لاکھ ملعونون نے میدان مین ہمین گھیرا ہے
تم نے بھائی سے عجب وقت مین مُنہ پھیرا ہے

کہتے تھے اہل ستم حال سُناتے ہو کسے
کون ہے بیکس و مظلوم دکھاتے ہو کسے

مرگئے اکبرؑ و عباسؑ بلاتے ہو کسے
جو کے سوتے ہین کہین مردے بھی جگاتے ہو کسے

حلق پر خنجرِ خونخوار پھرا دیتے ہین
اب تمھین بھی اسی مقتل مین گرا دیتے ہین

روکے فرماتے ہین یہ فوج ستمگار سے شاہ
غم مین ہین اپنون کے کیونکر نہ کرون نالۂ و آہ

ذبح ہونگی مجھے پیدا ہے خالق ہے گواہ
آن کو رو لونگا مین جبتک کہ جیونگا واللہ

بھولتا ہے کوئی اس طرح کے غمخوارون کو
یاد کرتے ہین وفادار وفادارون کو

دشت مین چلتی ہے لون دھوپ کی شدت ہے کمال
سرخ ہے خون سے قبا دھوپ سے رخسار ہے لال
جیٹھ بیساکھ کے ایام ہین اور وقتِ زوال
نکلی آتی ہے زبان منہ سے یہ ہے پیاس کا حال

تن جلا جاتا ہے جب گرم ہوا آتی ہے
ریت اُڑ اُڑ کے ہر اک زخم مین بھر جاتی ہے

تیر بیٹھا ہے جو اُس چاند سی پیشانی پر
ہے عجب بیکسی اُس فاطمہؑ کے جانی پر
خون کی چادر سی ہے اک چہرۂ نورانی پر
کبھی اعدا پہ نظر ہے تو کبھی پانی پر

تیغین کھا کھا کے لبِ خشک جو دکھلاتے ہین
تیر اُدھر سے عوضِ جرعۂ آب آتے ہین

خون کمان کٹ کے لٹک آئے ہین ابروِ خمدار
بوسے جن ہونٹون کے لیتے تھے رسولِ مختارؐ
ہین لہو رونے سے وہ نرگسی آنکھین گلنار
پیاس سے سوکھ گئے ہین وہ لبِ گوہربار

چاند شرمندہ تھا جن پھول سے رخسارون سے
چاک ہین مثلِ کتان ظلم کی تلوارون سے

زخمی ہین ابن یداللہ کے دونون بازو
تیغ شانے پہ کبھی لگتی ہے ساعد پہ کبھو
ہات ہیہات کہ یکدست ہین اب بے قابو
انگلیان ایسی ہین زخمی کہ ٹپکتا ہے لہو

پر یہ ہے امتِ محبوبِ خدا کی خاطر
زخمی ہاتھون کو اُٹھائے ہین دعا کی خاطر

سخت آفت مین ہے وہ پشت و پناہ عالم
علی اکبرؑ کی جوانی کا ہے جانکاہ الم
کمر پاک ہے بارِ غم عباسؑ سے خم
زانو پہ مارتے ہین دستِ تاسف ہر دم

وار سے تیغون کے اعضاے بدن کٹتے ہین
کھیت سے پر کہین شیرون کے قدم ہٹتے ہین

ساتھ اسوار کے زخمی ہے سراپا رہوار
بال سے خون کی بوندین ہین ٹپکتی ہر بار
کئی سو تیر ہین گردن سے بھی پہلو سے بھی پار
نہ کھڑے رہنے کی طاقت ہو نہ تابِ رفتار
تیر جب لگتا ہے کچھ کہہ تو نہین سکتا ہے
پھیر کر مُنہ شہِ والا کی طرف تکتا ہے

شاہ فرماتے ہین لے میرے رفیق و ہمدم
ہم سے تو چھٹتا ہے اب تجھ سے جدا ہوتے ہین ہم
ہے مجھے اپنے عزیزون کے برابر ترا غم
مر کے بھی تجکو نہ بھولونگا یہ ہین خالق کی قسم
خلق سے سوے عدم کوچ کی طیاری ہے
آخری اب ترے آقا کی یہ اسواری ہے

دیکھ لے تیری طرح ہین بھی ہون زخمی واللہ
ہے اگر تشنہ دہانی سے ترا حال تباہ
فاقہ مجھپر بھی ہے اور تو بھی ہے بے دانہ و کاہ
تین دن گذرے ہین پانی سے نہین ہون آگاہ
تو زبان خشک جو مُنہ پھیر کے دکھلاتا ہے
پسرِ ساقیِ کوثر کو حجاب آتا ہے

مثال ۷ا- اس سین کو ایک دوسرے موقع پر دکھایا ہے ؎

آج شبیرؑ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے
اُس طرف لشکرِ اعدا مین صف آرائی ہے
ظلم کی چاند پہ زہراؑ کے گھٹا چھائی ہے
یان نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیان کھاتے چلے جاتے ہین تلوارون مین
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگارون مین

زخمی بازو ہین کمر خم ہے بدن مین نہین تاب — ڈگمگاتے ہین نکل جاتی ہے قدمون سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہین آنکھین ہین پرآب — تیغ سے دیتے ہین ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف مین جس جا پہ ٹھہر جاتے ہین
سیکڑون تیر ستم تن سے گذر جاتے ہین

گیسو آلودۂ خون لپٹے ہین رخسارون سے — شانے کٹ کٹ کے لٹک آئے ہین تلوارون سے
تیر پیوست ہین خون بہتا ہے سوفارون سے — لاکھ آفت مین ہے اک جان دل آزارون سے
فکر ہے سجدۂ معبود مین سر دینے کی
وار سے تیغون کے فرصت نہین دم لینے کی

خون مین تر پیچ عمامے کے ہین سر زخمی ہے — ہے جبین چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیون سے تا بہ کمر زخمی ہے — تیرِ بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بیکار ہین بازو دونون
ظلم کے تیرون سے مجروح ہین پہلو دونون

برچھی آکر کوئی پہلو پہ لگا جاتا ہے — مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہین زخم بدن زور گھٹا جاتا ہے — بند آنکھین ہین سرِ پاک جھکا جاتا ہے
گرد زہرا و علی گریہ کنان پھرتے ہین
غل ہے گھوڑے سے امامِ دوجہان گرتے ہین

گرتے ہین قطرۂ خون زخمِ جبین سے پیہم — دستِ مجروح سے کھنچ سکتے نہین تیرِ ستم
فکر بخشش کی ہے امت کی کچھ اپنا نہین غم — کرتے ہین حمدِ خدا خشک زبان سے ہر دم
ہے عبا تیرون سے غربال قبا گلگون ہے
ہونٹ یاقوت سے زخمی ہین دہن پُرخون ہے

زین سے ہوتا ہے جدا دوشِ محمدؐ کا مکین
چمنِ فاطمہؑ کا سرو ہے مائل بہ زمین
برچھیان گرد ہین اور بیچ مین ہین سرورِ دین
ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگین
پانون ہر بار رکابون سے نکل جاتے ہین
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہین

لاکھ شمشیرین ہین اور ایک تنِ اطہر ہے
ایک مظلوم ہے اور ظالمون کا لشکر ہے
سیکڑون خنجرِ فولاد ہین اور ایک سر ہے
نہ کوئی یار نہ ہمدم نہ کوئی یاور ہے
باگ گھوڑے کی لٹکتی ہے اُٹھا سکتے نہین
سامنے اہلِ حرم روتے ہین جا سکتے نہین

کوئی سید کا نہین آہ بچانے والا
حربے لاکھون ہین اور ایک تنِ زخم اُٹھانے والا
پیاس مین کوئی نہین پانی پلانے والا
سنبھلے کس طرح بھلا برچھیان کھانے والا
چرخ سے آگ برستی ہے زمین جلتی ہے
مارے گرمی کے زبان خشک ہے لو چلتی ہے

کہین دم لینے کو سایہ نہین ہے وقتِ زوال
اینٹھی جاتی ہے زبان پیاس کی شدت ہے کمال
کبھی زینبؑ کا ہے غم گاہ سکینہؑ کا خیال
دن جو ڈھلتا ہے تو حضرت ہوئے جاتے ہین نڈھال
مثلِ خورشید بدن ضعف سے تھرّاتا ہے
نیرِ برجِ امامت پہ زوال آتا ہے

کہتے ہین ظالمون سے خشک زبان دکھلا کر
بہرِ حق پانی کا اک جام پلا دو لا کر
اہلِ کین کہتے ہین یہ تیغِ ستم چمکا کر
آبِ شمشیر پیو برچھیون کے پھل کھا کر
یہ سخن سن کے بھی قہقہہ شقین فرماتے ہین
یاس سے سوے فلک دیکھ کے رہ جاتے ہین

عرض کرتے ہین یہ خالق سے کہ اے ربِ غفور
کرتے ہین یہ مجھے بیجرم و خطا تیغون سے چور

تو ہے عالم کہ نہین کچھ ترے بندہ کا قصور
ہاتھ امت پہ اُٹھانا نہین مجھکو منظور

جانتے ہین کہ محمدؐ کا نواسا ہون مین
پانی دیتے نہین دو روز کا پیاسا ہون مین

واقعہ نگاری

اُردو زبان کا ایک مشہور انشاپرداز لکھتا ہے ۔

" فارسی مین صدہا نظم و نثر کی کتابین ہین، جن کے خیالات، بارکی اور تاریکی عبارات مین جگنو سے اُڑتے نظر آتے ہین لیکن کیا حاصل ؟ اس انداز مین اصلی ماجرا ادا کرنا چاہو تو ممکن نہین، ایسی مان کا دودھ پی کر اُردو نے پرورش پائی تو اس کا کیا حال ہوگا "

فارسی کے متعلق تو یہ الزام تسلیم نہین کیا جا سکتا لیکن کچھ شبہ نہین کہ اُردو مین جس چیز کی بڑی کمی ہے وہ یہی واقعہ نگاری ہے، شاعری کی جو صنفین اُردو مین آئین وہ قصیدہ اور غزل تھی، ان دونون کو واقعہ طرازی سے کوئی نسبت نہ تھی، مثنویان جو لکھی گئین وہ مؤرخانہ نہین بلکہ عاشقانہ تھین، اس لیے اصلی واقعات کے اظہار کی چندان ضرورت پیش نہین آئی، اُردو زبان کی نسبت جو کم مایگی کی شکایت ہے وہ زیادہ تر اسی لحاظ سے ہے کہ وہ ہر قسم کے واقعات، معاملات، کاروبار معاشرت کے جزئیات کے ادا کرنے پر قادر نہین، اسی بنا پر اگر اردو نظم مین کوئی تاریخ کی کتاب لکھنا چاہین تو نہین لکھ سکتے ۔

واقعہ نگاری کی دو قسمین ہین،

(۱) واقعہ نگار کسی تاریخی واقعہ کو بے کم وکاست نظم کردے، اسکے لئے صرف زبان پر قدرت درکار ہے، شاعری کی چنداں ضرورت نہین۔

(۲) واقعہ، اجمالاً معلوم ہے، لیکن واقعہ نگار، واقعہ کے تمام جزئیات اورحالات اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہے، وہ واقعہ کی نوعیت کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس قسم کے موقع پر فطرت کا اقتضا کیا ہے۔ ان تمام چیزون کو وہ موجود فرض کرلیتا ہے اور ان کو ادا کرتا ہے۔

اس قسم کی واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے بالکل بیان واقعی ہو، اور تمام واقعات مین اس قسم کا تناسب، ربط اور موزونی ہو کہ کسی واقعہ کی نسبت شک کا احتمال بھی نہ آنے پائے۔ اس قسم کی واقعہ نگاری کے لئے صرف قدرت زبان کافی نہین، بلکہ فطرت کا بڑا نکتہ دان ہونا درکار ہے۔

مثلاً شاعر احباب کی جدائی کا واقعہ لکھنا چاہتا ہے تو اسکو اُن تمام جزئی کیفیتون پر نظر ہونی چاہیئے جو اس حالت مین پیش آتی ہین۔ مثلاً یہ کہ اس حالت مین ایک دوسرے کو کس حسرت آمیز نگاہ سے دیکھتا ہے؟ کس قسم کی باتین کرتا ہے؟ کن باتون سے دل کو تسلی دیتا ہے؟ رخصت کے وقت بے اختیار کیا حرکات صادر ہوتے ہین؟ آغاز کی کیفیت کس طرح بتدریج ترقی کرتی جاتی ہے؟ حاضرین پر ان سے کیا اثر پڑتا ہے؟ پھر جدائی جدائی مین بھی فرق ہے، باپ بیٹے کی جدائی، بھائی بھائی کی جدائی، زن و شو کی جدائی، احباب کی جدائی، ان مین سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات ہین، ان مختلف اور کثیر الانواع خصوصیات کا احاطہ کرنا، اور ان کو مؤثر پیرایہ مین ادا کرنا، شاعرانہ واقعہ نگاری ہے۔

اسی طرح لشکر کشی، معرکہ آرائی، فتح و شکست، سفر و حضر، بیماری و موت قید و بند،

دشت نوردی و بادیہ پیمائی، سیکڑون ہزارون واقعات ہین، اور ہر واقعہ کی سیکڑون جزئیات ہین، ان تمام کا احاطہ کرنا، اور اُن کو ہو بہو ادا کر سکنا کمال شاعری ہے۔

اُردو زبان مین چونکہ ایک مدت تک بیہودہ مبالغہ اور خیال بندی کی گرم بازاری رہی، اس لئے واقعات کے ادا کرنے کے لئے جو الفاظ، ترکیبین، اصطلاحات مقرر ہین استعمال مین نہین آئین۔ اس لئے آج نئے سرے سے ان کو استعمال کیا جائے تو یا ابتذال یعنی عامیانہ پن، یا غرابت یعنی روکھا پن پیدا ہو جاتا ہے، نظیر اکبرآبادی کے کلام مین جو سوقیانہ پن ہے، اس کا یہی راز ہے۔ میر حسن نے اپنی مثنوی مین اکثر واقعات کا سمان دکھانا چاہا ہے اور یہ اُن کی صحیح المذاقی کا نتیجہ ہے، لیکن اکثر جگہ ابتذال پیدا ہو گیا ہے، ع کرتے کو کرتے سے بجانی چلی، اگر واقعہ نگاری ہے تو شعرا نے اچھا کیا کہ واقعہ نگاری سے الگ رہے۔

واقعہ نگاری جب کمال کے درجہ تک پہونچ جاتی ہے تو اُس کو مرقع نگاری کہتے ہین، جسکو آج کل کی زبان مین کسی چیز کا سمان دکھانا، یا سین دکھانا کہتے ہین۔

میر انیس نے، واقعہ نگاری کو جس کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے، اُردو کیا فارسی مین بھی اسکی نظیرین مشکل سے مل سکتی ہین، اُن کے کمال کی خصوصیات حسب ذیل ہین:

(۱) ہر قسم کے واقعات و معاملات و حالات اس کثرت سے نظم کئے ہین کہ واقعہ نگاری کی کوئی صنف باقی نہین رہی جو اُن کے کلام مین نہ پائی جاتی ہو۔

(۲) کوئی واقعہ جب سامنے آتا ہے تو عام نگاہین صرف نمایان باتون پہ پڑتی ہین اور اس لیے جب لوگ اُن کو بیان کرنا چاہتے ہین تو انھی نمایان باتون کو بیان کرتے ہین، لیکن ایک دقیق النظر اُن تمام جزئیات پر بھی نظر ڈالتا ہے اور اُن کو ظاہر کرتا ہے، یہ جزئیات جب ادا کیے جاتے ہین تو سامعین پر اس طرح کا اثر پڑتا ہے

گویا کوئی بھولی ہوی بات یاد آگئی، اسکے علاوہ واقعہ کی پوری پوری تصویر کھینچنے سے دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ جزئیات اکثر شعرا نظر انداز کرجاتے ہین جسکی وجہ اکثر تو یہ ہوتی ہے کہ اُن پر عام نگاہین پڑ نہین سکتین اور زیادہ تر یہ کہ ہر شخص اُن کے ادا کرنے پر قادر نہین ہوتا لیکن میرانیس چونکہ فطرت اور معاشرت انسانی کے بہت بڑے رازدان ہین، اسلیے دقیق سے دقیق اور چھوٹے سے چھوٹا نکتہ بھی اُن کی نظر سے بچ نہین سکتا، اس کے ساتھ زبان پر یہ قدرت ہے کہ کہین اُن کو دقت پیش نہین آتی۔

مثلاً ایک مقام پر گھوڑے کی تیز روی کو لکھا ہے۔ قاعدہ ہے کہ گھوڑا جب حد سے زیادہ تیز دوڑتا ہے تو اُسکی دونون کنوتیان کھڑی ہوکر مل جاتی ہین، اس کو بعینہ اس طرح ادا کیا ہے،

ع دونون کنوتیان بھی کھڑی ہوکے مل گئین۔

حضرت عباسؑ جب نہر کے پاس پہنچے ہین، تو گھوڑا جو کئی دن کا پیاسا تھا، پانی دیکھکر بیتاب ہوگیا ہے لیکن حضرت عباسؑ اسکو پانی پینے سے روکتے ہین اس موقع پر واقعہ کی اصلی صورت کھینچنے کے لئے یہ ضرور ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر جو اضطرابی حالت پیش آسکتی تھی، وہ دکھائی جائے چنانچہ میرانیس کہتے ہین ؎

واقعہ کی جزئیات

دو دن سے بیزبان پہ جو تھا آب و دانہ بند
ہر بار کانپتا تھا سمٹتا تھا بند بند

دریا کو ہمہناکے لگا دیکھنے سمند
چمکارتے تھے حضرت عباسؑ ارجمند

تڑپاتا تھا جگر کو جو شور آبشار کا
گردن پھراکے دیکھتا تھا منہ سوار کا

یا مثلاً حضرت امام حسینؑ کے سامنے اُن کے ترسانے کو جب عمر بن سعد نے پانی منگوا کر پیا ہے، اس موقع پر کہتے ہین ع ظالم نے غٹ غٹا کے پیا سامنے جو آب،

ڈگڈگا کے پانی پینا، ایک معمولی اور غیر مہتم بالشان واقعہ ہے لیکن ایک تشنہ لب کے ترسانے کے مضمون میں اسکا اظہار حسن بلاغت کا ایک بڑا ضروری نکتہ ہے -

یا مثلاً ایک موقع پر گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت کو لکھا ہے ع وہ ہات ہٹ کے آپ نے رکھا ایال پر، گھوڑے سے ذرا ہٹ کر ایال پر ہات رکھنا اور سوار ہونا، سواری کی مخصوص حالت ہے، اس لیے واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لیے اس حالت کا دکھانا ضرور تھا -

یا مثلاً حضرت شہربانوؑ جب اپنی بیٹی صغراؑ سے رخصت ہونے لگی ہین تو صغرؑا کی طرف جو صرف چھ مہینے کے تھے، رخصت کے معمولات ادا کرائے ہین، اس موقع پر اکثر مستورات کا دستور ہے کہ بچے کا ہاتھ اُسکی پیشانی پر رکھکر کہتی ہین کہ دیکھو یہ تمھین سلام کرتے ہین، اس حالت کو بعینہ ادا کیا ہے ؎

ہاتھ اُنھوں نے کہا دست پسر ماتھے پہ رکھکر	لو آخری تسلیم بجا لاتے ہین صغرؔ

یا مثلاً جوانانِ اہلبیت کی سیر و خوشخرامی کے موقع پر لکھتے ہین ؎

زلفین ہوا مین اُڑتی تھین ہاتھون مین ہات تھے	لڑکے بھی بند کھولے ہوے ساتھ ساتھ تھے

یا مثلاً جب رفقاے امام علیہ السّلام صف نماز سے لڑائی کے لیے اٹھے ہین اس موقع پر لکھتے ہین ؎

طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوے	تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اُٹھ کھڑے ہوے

یا مثلاً حضرت عباسؑ جب گھوڑا اُڑاتے ہوئے نہر کی طرف گئے ہین تو دریا کے نگہبانون سے جو نشیب مین تھے، اُسوقت آنکھ چار ہو جاتی تھی، جب گھوڑا زیادہ اونچا اُڑ جاتا تھا، اس حالت کو اس طرح ادا کیا ہے ؎

برچھیون اُڑتا تھا دب کے فرس رانون سے	آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانون سے

یا مثلاً سکینہؑ جب قید خانہ میں دربانوں سے اپنا حال کہنے گئی ہیں یہاں لکھا ہے ؎

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر — دیوار پکڑ پکڑ کے گئی وہ قریبِ در
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر — دربانو! جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر

بیکس ہوں، تشنہ لب ہوں، فلک کی ستائی ہوں
کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

دو حریفوں کی معرکہ آرائی کو جہاں مرزا دبیر وغیرہ لکھتے ہیں، صرف عام طرح پر اوپری اوپری باتیں لکھ دیتے ہیں، یہ مطلق پتہ نہیں چلتا کہ دونوں نے فنِ جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، لیکن میر انیس اکثر جگہ اُن خصوصیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور یہ اُن کی قدرتِ زبان کی سب سے بڑی دلیل ہے، مثالیں رزمیہ کے عنوان میں آئینگی، اب ہم ہر قسم کی واقعہ نگاری کی چند مثالیں درج کرتے ہیں،

۱۔ حضرت امام حسینؑ کا کربلا میں داخلہ، دشمنوں کی روک ٹوک، رفقاے امامؑ کی برہمی، امام علیہ السلام کی صلح پسندی اور درگذر وغیرہ وغیرہ ؎

آخر یہ کہہ کے کشتیِ امت کا ناخدا — جتنے سوار تھے وہ ہوے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا — دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا

اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند — کیوں یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہِ ارجمند — بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہو آنکھ بند

شبیرؑ اب یہیں رہینگے عنایت جو رب کی ہو
بس کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

روتے ہوئے وہان سے بڑھے آپ چند گام — گویا زمین کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر کے لالہ فام — شکلین وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفین ہوا مین اُڑتی تھین ہاتھون مین ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

اٹکنے لگے پہاڑون کو مسلم کے دونون لال — پھولون سے کھیلنے لگے زینب کے نونہال
سبزے سے وان کے ابن حسن خوش ہوئے کمال — کی عرض اس زمین کا ہر اک گل ہے بےمثال
اے خسروِ زمین یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یان کی خاک مین عطر عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوے دریا شہ امم — الیاس شاد ہو کے پکارے بصد حشم
اچھلین درود پڑھتی ہوئی مچھلیان بہم — بولے حباب آنکھون پہ شاہا ترے قدم
پانی مین روشنی ہوئی حسن حضور سے
لے لین بلائین پنجۂ مرجان نے دور سے

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہرو — دھویا کسی نے رخ تو کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جو — بھر لائے اشک آنکھون مین شبیرِ نیکخو
کھینچی اک آہ سبزۂ ترائی کو دیکھ کر
ہاتھون سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباس نامور — خیمہ کہان بپا کرین یا شاہ بحر و بر
ایذا ہے جنگلون مین بہت اہلبیت پر — بچے ہین نازکی مین گلون سے زیادہ تر
کب سے عماریون کے ہین پردے چھٹے ہوے
گرمی کے مارے دم ہین بچون کے رکے ہوے

کچھ سوچ کر امام دوعالم نے یہ کہا
زینبؑ جہان کہین وہین خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
جا کر قریب محمل زینبؑ یہ دی صدا
حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کہان ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سن کے دختر خاتون روزگار
اس امر مین بھلا مجھے کیا دخل مین نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافرون کا نگہبان ہے کردگار
مختار کائنات کے تم نور عین ہو
اترو وہان جہان مرے بھائی کو چین ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتون مین پانچ مہینے ہوئے بسر
ہے آندھیان یہ گرمی کے ایام یہ سفر
دن بھر چلے ہین دھوپ مین جاگے ہین رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہ جبل مین پہاڑ تھا

آج اس زمین پہ ہمین لایا ہے آسمان
اب دیکھیے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہان
آقا کی خیریت کی دعا مانگو بھائی جان
یارب مسافرون کو مبارک ہو یہ مکان
دشمن بہت ہین بادشہ خوش خصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقف اسرار شش جہت
ہو جو حسن ہین اُن سے بھی لازم ہے مشورت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنون مین کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا — تشویش کچھ نہ کیجیے اے بنتِ مرتضا
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا — لیکن ترائی سے کوئی بہتر نہین ہے جا
جو نہر فاطمہؑ ہین سہے یہ وہ فرات ہے
گرمی مین قرب نہر کا آب حیات ہے

حضرت کے حکم کا مترصد ہو جان نثار — ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبرؐ وہ ذی وقار — کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُترین یہین یہ مرضی آل رسول ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سُن کے خادمون کو پکارا وہ مہ جبین — فراش آ کے جلد مصفا کرین زمین
حاضر ہون آب پاش محل دیر کا نہین — یان ہوگا خیمۂ حرم بادشاہ دین
جلد اُن کو بھیجو لوگ ہین جو کاروبار کے
لے آؤ اُشترون سے قناتین اُتار کے

بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہین سب غلام — بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام — رتبے مین ہوگئی وہ زمین عرش احتشام
پرتو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چتر زری آفتاب کا

تھا فکر مین خموش دو عالم کا تاجدار — کھلوا رہے تھے خیمون کو عباسؑ ذی وقار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اک غبار — رایت سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار
بڑھ کر کہا حبیب نے کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے

یہ ذکر تھا کہ بن مین سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی وحشت ظلم سے کوسون صدا گئی
گھوڑون کے دوڑنے سے زمین تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
اک ایک پیل زور تہمتن شکوہ تھا
ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا

بولے ملازمون سے یہ عباس ع باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا؟
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کون سا؟
کہدو کہ اہلبیت کے خیمہ کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیون کا احترام ہے
اُترین الگ کہین یہ ادب کا مقام ہے

کرسی نشین ہے لخت دل سید البشر ص
آئین خسروی سے یہ واقف نہین مگر
آتی ہے اُڑکے گھوڑونکی ٹاپون سے گرد ادھر
کیا ہے جو روکتے نہین باگین یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہین اسپہ کہ ہم خاکسار ہین
شاید ہوا کے گھوڑون پہ ظالم سوار ہین

اُس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
حکم امیر ہے یہین اُترے سپاہ شام
چھوڑینگے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہو مقام؟
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجئے خیام
لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہونگے فرات پر

کوفے سے کل جوان ادھر آئے ہین دس ہزار
رستے مین شام کے ابھی فوجین ہین بیشمار
خالی ہین منزلین نہ بیابان نہ کوہسار
شہرون سے پرگنون سے چلے آتے ہین سوار
لاکھون ہین کوئی قتل کو بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسر سعد آئے گا

فوجون کا جائزہ تھا وہان ہم چلے تھے جب
گرد مین بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
دستون کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
اس ارض پر نہو جو سمائی تو کیا عجب
اچھے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہین کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہین ادھر
ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی مین گونجا وہ شیر نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم شکار سے

غصے مین رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹینگے ہم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہین جس جا جمے قدم
بپھرین جو شیر سامنے آتا نہین کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس مین سماتا نہین کوئی

تم کون ہو حسین ہے مختار خشک و تر
ان کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
دیکھو فساد ہوگا بڑھوگے اگر ادھر
شیرون کا یان عمل ہے تمھین کیا نہین خبر
سبقت کسی پہ ہم نہین کرتے لڑائی مین
بس کہدیا کہ پاؤن نہ رکھنا ترائی مین

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
بلوہ جو ہوگیا سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوے تھے نیزہ دار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ہلا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
ایک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابو تمامہ و سعد فلک سریر
تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کمان مین ابن مظاہر نے ایک تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہین یہ شریر
عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصّے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا

الٹی جناب قاسم ذیشان نے آستین
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرؑ حسین
بولے پکڑ کے نیچے زینبؑ کے مہ جبین
شیرون سے کیا ترائی کو لے لینگے اہل کین؟
کہیئے تو نیزہ بازون کو ہم دیکھ بھال لین
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھین نکال لین

آگے تھے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیرون کو دمبدم
تیغین جو تولتے تھے ادھر بانی ستم
کہتے تھے سر نہ ہوگا بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی اُدھر
تیغین جو کھچ گئین تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہل بیت شہنشاہ بحر و بر
آغوش مین پھوپی کے سکینہؑ دہل گئی
غل پڑگیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدون سے کیا سبب کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدھر ہین شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لوگو! دعائین اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنار نہر ہے اے بنت مرتضیٰ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہین اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہین عباسِ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکارین پیٹ کے زانو بصد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھین جلال
کہدے کوئی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
مین ہاتھ جوڑتی ہون کہ غصے کو تھام لو

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہر امام
عباسؑ ادھر غضب مین بڑھے سوے فوج شام
کرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انام
بھیّا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکسان ہے بر و بحر ہماری نگاہ مین
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ مین

آؤ تمھین قسم ہے جناب امیرؑ کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
ہمراہ بیٹیان ہین شہِ قلعہ گیر کی
سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے؟

آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحب کرم
پر تھی شکن جبین پہ نہ ہوتا تھا غیظ کم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ امم
گردن جھکا دی تا نہ ادب مین خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھون سے لیکن نکل پڑے

تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور	کہدیجیے اُن سے کاٹ کے لیجائیں میرا سر
حکم خدا ہے حکم شہنشاہ بحر و بر	اب کچھ کہوں زبان سے کیا تاب کیا جگر

میں ہوں غلام آپ کے ادنے غلام کا
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا	کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا یہ کیا
لو اب اُٹھالو تیغ و سپر تم پہ میں فدا	دریا کو تم تو لے چکے اے میرے مہ لقا

وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں

۴ حضرت عباس علیہ السلام جب میدان جنگ میں گئے ہیں تو شمر نے یہ ترغیب دی کہ ناحق آپ اپنی جان کیوں گنواتے ہیں اُدھر سے ٹوٹ کر ہماری طرف آجائیے تو منصب اور جاگیر اور کیا کچھ نہ ملے گا، حضرت عباسؑ نے نہایت برہم ہو کر اُس کی درخواست کو رد کیا، یہ سوال و جواب ہو رہے تھے کہ دشمنوں نے یہ خبر اُڑا دی کہ عباسؑ ہماری طرف آگئے، اہل بیت اور خاص کر حضرت عباسؑ کی بیوی پر اس وقت جو اثر ہوا، اور جو باتیں ہوئیں ان کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

واں شمر و علمدار میں ہوتی تھی یہ تقریر	یاں خیمے کی ڈیوڑھی پہ کھڑے تھے شہ دلگیر
خیمے کے قریب آن کے اک ظالم بے پیر	چلایا کہ لو ٹوٹ گئے بازوے شبیرؑ

اِس فوج میں فرزند امیر نجف آیا
عباسؑ علمدار ہماری طرف آیا

اس غُل سے یہ بولا پسر مخبر صادق	کاذب ہیں جفا کار ہیں مفسد ہیں یہ فاسق
یہ بات نہیں رتبہ عباسؑ کے لائق	وہ ہے مرا شیدا مرا یاور مرا عاشق

بھائی سے کنارا کبھی بھائی نہ کرے گا
عباسؑ علی مجھ سے برائی نہ کرے گا

ناموس نبیؐ میں بھی یہ چرچا ہوا اک بار
کہنے لگی تب زوجۂ عباسؑ علمدار
زینبؑ نے کہا یہ تو نہ مانونگی مین زنہار
کیا ماجرا ہے بی بیو مجھ سے کرو اظہار

ہے دیرؔ سے اک شور بپا لشکر کین مین
وارث مرا کیا قید ہوا لشکر کین مین

بولی یہ سکینہؑ کہ چچی تم سے کہون کیا
اور کہتے ہین آپس مین خوشی ہوکے یہ اعدا
روتے ہین کمر پکڑے ہوے ہاتھون سے بابا
عباسؑ ملا ہم سے شہ دین ہوے تنہا

اس صدمے سے ننھا سا کلیجہ مرا شق ہے
مین پیاس بھی بھولی ہون یہ عمو کا قلق ہے

چپکے سے سکینہؑ نے کہا جب یہ بصد یاس
گھبرائی ہوئی خیمے کی ڈیوڑھی کے گئی پاس
غرق عرقِ شرم ہوئی زوجۂ عباسؑ
پھر سوچ کے کہتی تھی کہ بیجا ہے یہ وسواس

قوت شہ والا کی انھین سے تو فقط ہے
عباسؑ پھرے شہ سے؟ نہ مانونگی غلط ہے

لہ یہان عجب بلاغت کا اظہار کیا ہے، حضرت عباسؑ کی بیوی لوگون سے واقعہ کو تحقیق کرنا چاہتی ہین لیکن یہ انکی زبان سے نہین نکل سکتا کہ کیا درحقیقت عباسؑ دشمنون سے مل گئے۔ اس لئے انھون نے اس پیرایہ مین سوال کیا کہ کیا دشمنون نے اُن کو قید کرلیا، یعنی اگر وہ دشمنون کے مجمع مین چلے بھی گئے تو قید ہوکر گئے ہونگے ورنہ یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ دشمنون سے جاکر مل جائین ۱۲ منہ

سلہ اس بلاغت کو دیکھو کہ اہل حرم سے کسی نے اس جھوٹی خبر کا زبان پر لانا بھی نہ چاہا، لیکن سکینہؑ بالکل بچی تھین، اس لئے انھون نے جو سنا تھا بیان کردیا ۔

بھائی کو وہ پیارے ہین انھین بھائی ہے پیارا — عاشق کہین معشوق سے کرتے ہین کنارا
یہ ننگ علمدار کو ہوگا نہ گوارا — قسمت ہی الٹ جائے تو اس کا نہین چارا

لیکن فلک اس طرح سے گرتے نہین دیکھا
بھائی کو کبھی بھائی سے پھرتے نہین دیکھا

اس سوچ مین پھرتی تھی سراسیمہ و مضطر — اس کا بھی نہ تھا ہوش کہ کب گر گئی چادر
رخ زرد تھا دل کانپتا تھا سینہ کے اندر — دھڑکا تھا کہ اب کیا کہینگے آن کے سرور

یا رب نہ سنون مین کہ جدا ہو گئے عباسؑ
یہ غل ہو کہ بھائی پہ فدا ہو گئے عباسؑ

آخر کہا بیٹے سے کہ واری ادھر آؤ — باندھو کمر اور جنگ کے ہتھیار لگاؤ
تم شیر کے فرزند ہو میدان مین جاؤ — بیتاب ہون اے لال خبر باپ کی لاؤ

تھے پانی کو دریا کے کنارے گئے عباسؑ
دیکھ آؤ تو لڑتے ہین کہ مارے گئے عباسؑ

غیرت سے موئی جاتی ہون مین بیکس و ناچار — کہتے ہین عدو پھر گیا بھائی سے علمدار
صدقے گئی کہیو مری جانب سے بتکرار — کیا قہر ہے تم شمر سے کیون کرتے ہو گفتار

وہ تفرقہ انداز ہے مردود خدا ہے
شبیرؑ کے دشمن سے علاقہ تمھین کیا ہے

۳۔ ابن سعد کربلا مین داخل ہوتا ہے، اور خولی سے حالات دریافت کرتا ہے، خولی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کرتا ہے ؎

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان — امڈا زمین پہ ظلم کا دریائے بیکران
موجون کیطرح سب تھین صفین پیش و پس روان — لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادبان

ہلتا تھا دشت کین ڈھل اس طرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل
مکار و اہل نار و دغا باز و پُر دغل
خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
شکلین مہیب دیو سے قد ابروؤن سے بل

بد خواہ خاندان رسالت پناہ سے تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار
غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار
"آگے بڑھے چلو" یہ نقیبون کی تھی پکار

گھوڑون پہ گرد و پیش رئیسان شام تھے
زرّین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

اُترا قریب خیمۂ فرس سے وہ خیرہ سر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر
سر پر لگایا دوڑ کے خادم نے چتر زر
بولا کسی سے پھر وہ سوے نہر دیکھکر

خیمہ ہے کس طرف کو شہ خوشخصال کا
دریا پہ تو عمل نہین زہرا کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری مان کا مہر
آئے تھے یان اُترنے کی خاطر امام دہر
ہمنے اُٹھا دیا اُنھین لیکن بجبر و قہر

عباسؑ مستعد تھے سبھون سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

وہ دھوپ مین ہے خیمۂ زنگاری حسینؑ
پہرون علیؑ کی بیٹیان روتی ہین کرکے بین
راحت نہ رات کو ہے کوئی دم نہ دن کو چین
آفت مین مبتلا ہے محمدؐ کا نور عین

بچون کی مارے پیاس کے حالت عجیب ہے
خیمہ نہ سایہ مین ہے نہ دریا قریب ہے

بولا شقی کہ کتنی ہے فوج شہ امم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہین کم
سنتے تھے وان سپاہ حسینی کی دھوم ہم
فاقون کے مارے دم مین کسی کے نہین ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہین
مین نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہین

ہے ایک علم یہ قلت لشکر کا ہے نشان
اردو مین جنس غم کے سوا جنس ہے گران
یہ حال ہے لٹا ہوا جیسے ہو کاروان
غلہ کی یہ کمی ہے کہ ہے قحط آب و نان
اسوار بھی قلیل پیادے بھی تھوڑے ہین
کل سترہ تو اونٹ ہین اور بتیس گھوڑے ہین

مطبخ ہے سرد آگ کا انہین نہین ہے نام
خاک آبدار خانے مین اڑتی ہے صبح و شام
بچے ہواے گرم سے بیتاب ہین تمام
کیونکر لڑینگے بیکس و مظلوم تشنہ کام
یان سیکڑون کمانین ہین فوج امیر مین
دو دو گرینگے خاک پہ ایک ایک تیر مین

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکر کثیر
ہین ان مین سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر
کچھ نوجوان ہین طفل ہین کچھ اور کچھ ہین پیر
پس جائینگے وہ ٹاپون سے ہنگام دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھونکی طاقت دکھائینگے
ان سے تو نیمچے بھی سنبھالے نہ جائینگے

کیا جانے دل مین سوچے تھے کیا شاہ کربلا
لشکر تو یہ قلیل اور اس فوج سے وغا
مقتل مین کھینچکر انھین لے آئی ہے قضا
عمرین ہین چھوٹی چھوٹی بھلا وہ لڑینگے کیا

کچھ آزمودہ کار نہین کچھ مسن نہین ٭
اُن کے ابھی تو گھر سے نکلنے کے دن نہین

ہمشکل مصطفیٰ کو تو اٹھاروان ہے سال
نو دس برس کے ہوئینگے زینبؑ کے دو نولال
تیرہ برس کا ہے ابھی شبرؑ کا نونہال
ہان اک جوان ہین حضرت عباسؑ خوشخصال

چھوٹے ہین اور سب کوئی ان مین جوان نہین
خط اک طرف مسین بھی کسی کی عیان نہین

سنتا ہون مین ہین دو پسر شاہ نامدار
زینبؑ کے دو ہین تین حسنؑ کے ہین گلعذار
بیمار اُن مین ایک ہے اور ایک شیر خوار
دس ہین عقیلؑ و مسلمؑ و حیدرؑ کے یادگار

زہراؑ کے جان و دل ہین محمدؐ کے پیارے ہین
ہشترہ تو چاند ہین باقی ستارے ہین

بتیس سب سوار شہ دین کے پاس ہین
آفت مین مبتلا ہین مگر با حواس ہین
اب رہ گئے پیادے سو دو کم پچاس ہین
غازی ہین سرفروش ہین اور حق شناس ہین

کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہین اور دعائین ہین اور حق کا ذکر ہے

بولا وہ تب کہ ہونگے جوان یان کے کے ہزار
ہین تین چار کوس کے گرد ے ہین سب سوار
خولی نے کی یہ عرض کہ ممکن نہین شمار
اک اک جوان ہے رستم میدان کارزار

کیا کوئی لڑ سکے گا قیامت کی فوج ہے
لشکر کی ہین صفین کہ سمندر کی موج ہے

پیدل ہین اک طرف تو رسالے ہین اک طرف
جانباز ہاتھ قبضون پہ ڈالے ہین اک طرف
خنجر ہین ایک سمت تو بھالے ہین اک طرف
اور دس ہزار برچھیون والے ہین اک طرف

سب لوگ فکرِ قتلِ شہنشاہِ دین مین ہین
کھینچے ہوے کمانون کو سرکش کمین مین ہین

ہاتھون مین پہلوانون کے ہین گرزِ گاؤ سر
ضربت سے جنکے ٹوٹتی ہے کوہ کی کمر
ہر جا کچھی ہوئی ہین کمندین اِدھر اُدھر
کالی گھٹا سی چھائی ہے ڈھالونکی نہر پر

سب لوگ جا بجا پئے قتل و ستیز ہین
تیغین بھی ہین اُبی ہوئی خنجر بھی تیز ہین

بھالا ہلا کے کوئی یہ کہتا ہے بار بار
نوک اسکی سینۂ علی اکبرؑ کے ہو گی پار
کہتا ہے کس غرور سے اک شام کا سوار
آئے نورن مین حضرت شبیرؑ کا یادگار

اب کوئی دم مین گھر کے حسنؑ کی صفائی ہے
تلوار آج زہر مین ہین نے بجھائی ہے

۴۔ فوج آراستہ ہو رہی ہے، اور علم لا کر رکھا گیا ہے۔ عون و محمد جو امام علیہ السلام کے بھانجے اور حضرت زینبؑ کے صاحبزادے ہین علم کے استحقاق کے دعویدار ہین اور چاہتے ہین کہ امام علیہ السلام سے اس منصب کی درخواست کرین۔ اسوقت کی گفتگو، حضرت زینبؑ کی آزردگی، اور فہمایش، اور دیگر واقعات۔

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم
کیون بھائی علم لینے کو ماموں سے کہین ہم؟
تائیدِ خدا چاہیئے گو عمر مین ہین کم
عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم

واقف ہین سبھی حیدر و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہین ہم دونون طرف سے

دادا بھی علمدار رہے نانا بھی علمدار
ہم اپنے بزرگون کے ہین منصب کے طلبگار
کہنا تھا بڑا عرض کا موقع نہین زنہار
ہین بادشہِ کون و مکان مالک و مختار

عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام
یہ سر ہوں نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام
مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہی یہی نام
عزت ہے یہی بھائی یہ دعا ہے سحر و شام

آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاقِ اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قریں زینبؑ دلگیر
فضہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر
سب اُس نے مفصل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
دونوں کو اشارے سے بلائے کسی تدبیر

کچھ کہنا ہے سن لیں اُسے فرصت اُنھیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہِ دیں کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار
چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبؑ ناچار
اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار

سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لُٹتا ہے میرا تمھیں منصب کی پڑی ہے

اللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤنگی بیزار
بچّو تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار

کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھونگی نہ پھر مُنہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے
استادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے
تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے

اِس امر مین خاطر نہ کرین اور کسیکی
مین خوش ہون بجا لائین وصیت کو علیؑ کی

مانا کہ پہونچتا ہے تمھین منصب جعفرؑ — آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹون کے برابر — عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑو نہ گلہ گر کسی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے محجوب کروگے

زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار — یون کہنے لگے جوڑکے ہاتھون کو وہ دلدار
شاہون سے غلامون نے بھی کی ہے کبھی تکرار — مالک ہین جسے چاہے علم دین شہ ابرار
رخصت کے لئے تیغ و سپر باندھے ہوئے ہین
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہین

زینبؑ نے کہا لیکے بلائین کہ سدھارو — بس اب مرا دل شاد ہوا اے مرے پیارو
مان صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو — ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھون مین خدا زور علیؑ کا

۵ حضرت علی اکبرؑ میدان جنگ مین جانے کے لئے پھوپی اور امان سے اجازت طلب کرتے ہین، اُن دونون کا اضطراب - اور سوال وجواب ۵

خیمے مین آئے روتے ہوے اکبرؑ حزین — چھاتی لگایا مان نے پھوپی نے بلائین لین
اِک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبین — نرغے مین ظالمون کے اکیلے ہین شاہِ دین
روتے ہین غیر سیّدِ والا کے حال پر
اماں مقام رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
بازو شکستہ ضعف بصارت ہجوم یاس
اب مین ہون اور کوئی نہین شاہ دین کے پاس
اس پر بھی اضطراب نہین کچھ نہ ہے حواس
گھیرے ہین سب امام غریب الدیار کو
تنہا کھڑے ہین تولے ہوے ذوالفقار کو

تنہا کہان امام کہان وہ ہجوم عام
مین یان ہون اب تو اور بڑھی ہو گی فوج شام
فریاد ہے کوئی نہین آتا ہمارے کام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہان سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھون کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوند خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
اچھا مرینگے بعد شہ آسمان جناب
ہم بھی نہین اگر نہین فرزند بوتراب
ذرہ کہان؟ غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیر اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہ عالم کے ساتھ ہے

مجھکو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کرون
راہ خدا مین فوج سے تنہا وغا کرون
سر سے حقوق والد و اجداد ادا کرون
مالک مرے اگر نہ رضا دین تو کیا کرون
وان اقتلوا الحسینؑ کا اعدا مین شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والون سے زور ہے

تم دونون صاحبون سے ہے اب ملتجی سوال
اول تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصت جدال
رکھ لیجیے آبروے پسر ہر ذوالجلال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
للہ ہاتھ اٹھائیے اب نور عین سے
امان ہین عزیز نہ کیجیے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہین قبول | جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول | نہ جائینگے نجف نہ سوے روضۂ رسولؐ
جنگل کی راہ لینگے گریبان کو پھاڑ کے
کافی ہین مُنہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھین جو دوستانِ مدینہ مری خبر | کہدیجیے نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امام دین پہ ہوے سارے نامور | کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پسر
بستی بسا کے رن مین شہ کربلا رہے
کُنبہ سے مُنھ چھپا کے وہ جنگل مین جا رہے

رونے لگا یہ کہکے جو وہ چودھوین کا ماہ | بنتِ علیؑ کی آنکھون مین دُنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے مُنہ پہ یاس سے زینبؑ کی نگاہ | گردن ہلا کے مان نے بھری ایک سرد آہ
بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پاؤن پہ غش کھا کے گر پڑی

مان کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر | بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر | زینبؑ پکارین چھوڑ کے ہمکو چلے کدھر
اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر | گرنا وہ پٹنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یاد آتی ہین وہ ہنسلیان وہ کان کے گُہر | یا آج تیغ ہاتھ مین ہے دوش پر سپر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ تمھین شہ رب ذو الجلال
قابل ہر رحم کرنے کے واری ہمارا حال
قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
بچپن کی دائیون کا بھی رکھیئے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھین ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

قوت تمھین ہو دل کی تمھین پارۂ جگر
لاثین بھی گھر مین آئین تو بیٹا نہ مین نے سر
یہ بھی خبر نہین مجھے کب مر گئے پسر
مین کہتی تھی جیے یہ مرا غیرت قمر
اکبرؑ تو ہے اگر مرے پیارے نہین نہین
روشن ہے گھر مین چاند ستارے نہین نہین

باتین یہ کر کے منہ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپھی کے قدم پر وہ مہ لقا
سر چوب سے پٹک کے کہا وا محمدا
کی عرض رو کے ای پھوپی امان کرون مین کیا
مین بے وفا نہین ہون یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

منہ سے ہٹائیے تو ردا بہر کردگار
چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلفگار
اچھا نہ جائینگے سوئے میدان کارزار
مین کون؟ صدقے جاؤن تمھین کو ہے اختیار
اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لو مان تو پاس ہے

اکبرؑ نے مان کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپی خفا ہین جھکا دو قدم پہ سر
مان نے کیا اشارہ کہا اے غیرت قمر
قربان جاؤن عذر کرو ہاتھ باندھ کر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
تقصیر عفو کیجیئے اے خواہر امام
بس اب زبان سے کچھ نہین کہنے کا یہ غلام
میری تو مان ہین آپ مجھے کیا کسی سے کام
بندے پہ کی ہے مان نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتون کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اکبرؑ نے یہ کلام کیے جب بصد ادب
الفت کا جوش آگیا بنت علیؑ کو تب
لیکر بلائین چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
کڑھتے ہو کس لئے مین تمھین دیکھتی ہون کب
سچ ہے جہان مین تم سا کوئی با وفا نہین
واری تمھارے سر کی قسم مین خفا نہین

کیون کانپتے ہو اشک ہین آنکھون سے کیون روان
تم راست گو ہو سچ ہے تمھارا یہ سب بیان
ہو مین نے دی رضا تمھین اے میرے نوجوان
تم جاؤ تو آگے صدقے گئی اور تمھاری مان
یون تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
پچھو مان کا حق بھی کم نہین ہوتا ہے باپ سے

آنکھین بچھائین مان نے جو تم گھٹنیون چلے
تلوون سے اس نے دیدۂ حق بین سدا ملے
نازون سے منتون سے مرادون سے تم پلے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی سے گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت مین کھوئی ہے
برسون یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

بانوؑ نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
اس قافلہ مین آپ ہین اب فاطمہؑ کی جا
مین نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورت پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
لے لین بلائین بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بانوؑ بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر
سنتی تھی مین کہ رن سے علمدار آتے ہین
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیّا بھی جاتے ہین

بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
کیون سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدا
کیسے پھوپھی بھتیجون مین کیا فیصلہ ہوا
راہین سب اُن کے روکنے کی بند ہو گئین
سنتا ہون مین کہ تم بھی رضا مند ہو گئین

ہاتھون کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
ماں نے بھی رضا ہمین دی اور پھوپھی نے بھی
زہراؑ کی وہ بہو ہین تو یہ دخترِ علیؑ
آقا سوال رد نہین کرتے کبھی سخی
رو یا جو مین تو ماں نے گلے سے لگا لیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپی نے جلا لیا

ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
نامِ خدا زبان کی طلاقت تو دیکھیے
زینبؑ یہ بولین ذہن کی جودت تو دیکھیے
ہر بات مین ثبوتِ اجازت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زبان ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

رومال رکھ کے آنکھون پہ بولے امامِ دین
سچ ہے اجل سے کچھ کسی انسان کا بس نہین
تم دو کی خصمت ان کو تھے یہ نہ تھا یقین
آیا تھا اتنی عمر ہی لے کر یہ مہ جبین
بیجا ہے روکنا جو یہ طالب قضا کے ہین
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہین

۷ - عونؑ اور محمدؑ زخمی ہوکر قریب المرگ ہین، حضرت علی اکبرؑ انکی لاش اُٹھانے کے لئے جانا چاہتے ہین، حضرت زینبؑ (عونؑ و محمدؑ کی مان) ان کو روکتی ہین، لاشین گھر مین آتی ہین، حضرت زینبؑ لوگون کو رونے سے منع کرتی ہین لیکن آخر ضبط نہین ہوسکتا، اور خود بین کرتی ہین ؎

گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہین پیاری
سر ننگے مین نکلونگی جو تم جاؤ گے واری
بتلاؤ تو ہ مین اُنکی ہون عاشق کہ تمھاری

میدان کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نجائین
تلوارون مین عباسؑ دلاور بھی نجائین

بیٹون سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
اِک دولت اولاد لٹائی تو لُٹائی
سر پر مرے دُنیا مین سلامت رہین بھائی
کیا اُٹھ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی

کیون روؤن ہین دنیا مین جو دلبند نہین ہین
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہین ہین

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
ٹکڑے کیا معصومون کو تلوارون کے مارے
بوشاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
وہ لوٹتے ہین خاک پہ دو عرش کے تارے

پامالی کو ان دونون کے اسوار بڑھینگے
بچّون کے سرِ اب کٹ کے نشانون پہ چڑھینگے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ
سر کھولے ہوئے بیبیان دوڑین جو تھین پاس
گھبرا کے اُٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سب نے کہا بوشہ کی بہن ہوگئی بے آس

ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب باقی ہے صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا اندرون مین برپا
زینب بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا
چلائی ارے چپکے رہو غل ہے یہ کیسا؟
بھائی ہین سلامت مجھے کیون دیتے ہو پرسا

ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائین گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائینگے شبیرؑ

باتین یہ کہین سب سے پہ سنبھلا نہ دل زار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
وان لاشون پہ روتے ہوئے پہونچے شہ ابرار
مہمان کوئی ساعت کے تھے وہ جگر افگار

کس غم مین ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رخ زرد تھے اور خاک مین آلودہ تھے گیسو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے منہ تو سے وہ ابرو
تلوارون سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
مہتاب سی وہ چھاتیان اور تیر سے پہلو

چھلتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹون پہ زبانین نکل آئی تھین عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ مین دل سبط پیمبرؐ
ہے ہے نے کہا اور لاشون سے لپٹے شہ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش مین آ کر
بالین پہ حضور آئے ہین جنکو تو برادر

مشتاق تھے تم سید ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سن کر یہ صدا غش سے جو چونکا دل افگار
دونون نے رکھا سر قدم شاہ پہ اک بار
اکبر سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کی دلدار
دشمن ہین بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونون غلامون کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹین جو امان انھین سمجھائیو بھائی

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمہ مین آئی ‏— رانڈون نے اُدھر ماتمی صف گھر مین بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہین بھائی — فضہ یہ پکاری کہ دُہائی ہے دُہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہین شبیرؑ
معصومون کی لاشون کو لئے آتے ہین شبیرؑ

بیٹھی صفِ ماتم پہ ادھر شاہ کی خواہر — سیدانیون نے اُٹھ کے اُدھر کھولدیے سر
لاشون کو لئے آئے جو گھر مین شہ صفدر — زینبؑ کے قرین بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھین بخشو پسر آئے تمھارے

دیکھا جو لہو بچون کا چھاتی اُمنڈ آئی — نزدیک تھا مرجائے یداللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اُسنے دکھائی — سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی
بچے مرے قربان ہوئے احسان خدا کا
اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

رو کر شہ والا نے کہا صدقے ہین تم پر — دم بھر انھین رہ لو کہ یہ مہمان ہین خواہر
بانوؑ نے اشارا کیا اے سبطِ پیمبرؑ — قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائین گی زینبؑ
یہ ماتمِ اولاد ہے مرجائین گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ — فرزندون کو چلانے لگی زینبؑ ذیجاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہین آہ — صدقے گئی جاؤ شہ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی مین دونگی
اچھا مین تمھین دونون سے ماں جائے کو لونگی

لو سمجھے کاندھون پہ دھروا مرے پیارو | تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دو دن کے یہ ہمت کو نہ ہارو | یہ خون مین ڈوبے ہوئے کپڑے تو اُتارو

اُٹھ بیٹھو مین صدقے گئی اتنا نہین سوتے
اس طرح تو جاگے ہوئے دولھا نہین سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل | بچھو لمحقین کیا سُن کے کہینگے شہ عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورت بسمل | سلجھاؤ یہ زلفین کہ اُلجھتا ہے مرا دل

کیا غش مین ہو یہ سونے کا نقشا نہین ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہین سوتا

مثال ۔ ۱۸۰۔ شیرین کو خبر ہوئی ہے کہ امام حسین علیہ السلام مع تمام خاندان کے اُس کے گھر تشریف لاتے ہین، اور وہ مہمانی کا سامان کرتی ہے اور اپنے عزیزون کو خوشخبری دیتی ہے۔

یہ کہکے اُس نے فرش کیا گھر مین سربسر | مومن کے دل کی طرح مصفا ہوا وہ گھر
مسند بچھائی بہر شہنشاہ بحر و بر | کنیزون کو صاف کرکے لگا یا ادھر اُدھر

کہتی تھی میرے گھر مین ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امام زمنؑ کا ظہور ہے

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے | یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کے واسطے | یہ گھر ہے شاہ دین کے برادر کے واسطے

راحت سے شہ نشین یہ امام زمن رہین
حجرہ یہ اس لئے ہے کہ دولھا دلھن رہین

سلہ یہ اشعار جذبات کے عنوان مین بھی داخل ہو سکتے ہین ۔

کرسی کو لا کے جلد کسی جا بچھاتی تھی — سخفون کو کشتیون مین کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے مین بھر شکر کبھی سر جھکاتی تھی — گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ جاتی تھی
چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بیقرار تھا
فرزند فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جا کر کبھی خواصون سے کرتی تھی یہ کلام — کھانا پکاؤ جلد کہ آتے ہین اب امام
بھر بھر کے آب سرد کے رکھدو ہوا مین جام — لبریز آب گرم کے کر دو سبو تمام
پردیسیون کو خیر سے جب گھر مین لاؤنگی
ہاتھون سے اپنے پاؤن سبھونکے دھلاؤنگی

ہمسائیوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار — اب کیجیو زیارتِ سلطان نامدار
ہے باغِ فاطمہؑ یہ عجب حسن کی بہار — رشکِ ریاضِ خلد ہے ایک ایک گلعذار
سب نونہال گلشنِ دین لاجواب ہین
قد سروِ باغ حسن ہین رُخ آفتاب ہین

شمشادِ بوستان پیمبرؐ کو دیکھیو — سروِ ریاضِ حضرتِ شبرؑ کو دیکھیو
کیا نوجوان ہین شہ کے برادر کو دیکھیو — سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حسن ملک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اُس جری مین محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اُسے صد و سی سال برقرار — نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
بہنین فدا ہین باپ تصدق ہو مان نثار — سر پر پھوپھی نے پیار سے گیسو رکھے ہین چار
چہرے کے آگے نیر تابان بھی ماند ہے
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے

اب خیریت سے گذریگا اٹھاروان جو سال
شادی کرینگی بیٹے کی بانوئے خوشخصال
زینبؑ کو اسکے بیاہ کا ارمان ہے کمال
ہردم یہی دعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
آتی ہین نسبتین حلب و شام و روم سے
شادی خدا جو چاہے تو ہووےگی دھوم سے

جب ڈھل گئی اُسے انھین باتون مین دوپہر
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اب تک نہ آئے گھر مین شہنشاہ بحر و بر
اُترے کہان کسی سے مفصل سُنی خبر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
جا پیشواے خلق کی تو ... پیشوائی کو

کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
لونڈی کو سرفراز کرو یا شہ اُمم
کرتے ہین اغنیا غربا پر سوا کرم
اب بے حضور چین نہین مجھکو ایک دم
کچھ آج ہے تپش سی دل بیقرار مین
آنکھین سپید ہوگئی ہین انتظار مین

قربان ہوگئی مرا گھر کچھ نہین ہے دور
خاصہ تناول آن کے اس جا کرین حضور
ہم لوگ مشت خاک ہین حضرت خدا کے نور
ہوگا یہ کوہ آپ کے آنے سے رشکِ طور
کہنا حضور راہ ہدایت کی شمع ہین
پروانے یان سحر سے زیارت کو جمع ہین

عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے مین کچھ اگر
آنے ہین کیون حرم کے ہوئی دیر اسقدر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہ بحر و بر
گڑوا رکھی ہین مین نے قناتین اِدھر اُدھر
محمل مین گھٹتی ہووینگی زہرا کی پیاریان
عباسؑ لے کے آئین زنانی سواریان

رزمیہ

رزمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے، لیکن وسعت اور اہمیت کے لحاظ سے اسکے لئے بھی جداگانہ عنوان درکار ہے

اُردو بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی، عربی مین مثنوی سرے سے مفقود ہے، اور مسلسل واقعات مثنوی کے سوا، اور کسی صنف مین ادا ہی نہین ہو سکتے، شعرائے جاہلیت لڑائی کے جستہ جستہ واقعات قصائد مین ادا کرلیا کرتے تھے، لیکن اس تمام شاعری مین کوئی مسلسل رزمیہ نظم ۵ شعرون کی بھی نہین مل سکتی۔

فارسی مین شاہنامہ اور سکندرنامہ کو الگ کرلیا جائے، تو کچھ باقی نہین رہتا، لیکن ایک شاہنامہ ہزار کتابون پر بھاری ہے، اس لئے فارسی شاعری کا رتبہ اس حیثیت مین عربی سے بڑھا رہا۔ اور اس کو خود زبان دانان عرب نے تسلیم کیا، چنانچہ ابن الاثیر نے مثل السائر مین صاف لکھدیا کہ عربی زبان باوجود اسقدر وسعت اور مایہ داری کے شاہنامہ کی نظیر نہین پیش کرسکتی۔

اُردو میں سے دے کر، میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین، جو نوفل اور لیلیٰ کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین،

اس کا نمونہ یہ ہے ؎

شانون سے گذر کے رمح چالاک، ‏ ‏ ‏ تھے ہوش ربائے مار ضحاک

مرثیہ میں میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی، لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا، میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہونچایا اسکے لحاظ سے اُردو شاعری گو فارسی کی برابری کا دعوی نہین کر سکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین۔

رزمیہ شاعری کا کمال امور ذیل پر موقوف ہے سب سے پہلے لڑائی کی طیاری، معرکہ کا زور شور، تلاطم، ہنگامہ خیزی، ہل چل، شور و غل، نقارون کی گونج، ٹاپون کی آواز، ہتیارون کی جھنکار، تلوارون کی چمک دمک، نیزون کی لچک، کمانون کا کڑکنا، نقیبون کا گرجنا، ان چیزون کا اس طرح بیان کیا جائے کہ آنکھون کے سامنے معرکۂ جنگ کا سمان چھا جائے، پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا، مبارز طلب ہونا، باہم معرکہ آرائی کرنا، لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا، ان سب کا بیان کیا جائے۔ اسکے ساتھ اسلحۂ جنگ، اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جائے، پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جائے کہ دل دہل جائین، یا طبیعتون پر اداسی اور غم کا عالم چھا جائے۔

فردوسی کے ہان یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، مثلاً وہ معرکۂ جنگ کا سمان اس طرح کھینچتا ہے ؎

جہان لرز لرزان شد و دشت و کوہ ‏ ‏ ‏ زمین شد ز نعل ستوران ستوہ
(گھوڑے) (عاجز)

برآمد زہر سو ز لشکر خروش ‏ ‏ ‏ ہمی پیل را زان بدرید گوش

زبس نیزہ و گرز و گوپال و تیغ ‏ ‏ ‏ تو گفتی ہمہ ژالہ بارد ز میغ

بلند آسمان چون زمین شد ز خاک ‏ ‏ ‏ زہر سو ہمی بر شدہ چاک چاک (دل)

ق درخشیدن تیغہاے بنفش ‏ ‏ ‏ ازان سایہ کاویانی درفش (علم)

تو گفتی کہ اندر شب تیرہ چہر
ستارہ ہمی بر فشاند سپہر

سیہ شد ز گرد سپہ آفتاب
ز پیکان پولاد و پرِ عقاب

دلِ کوہ گفتی بدرّد ہمی
زمین با سواران بپرّد ہمی

تو گفتی کہ ابرے برآمد سیاہ
بہ بارید خون اندران رزمگاہ

ز گردِ سپہ روشنائی نماند
ز خورشید و شب را جدائی نماند

ز جوش سواران و زخم تبر
دگر کوہِ خارا برآورد سر

زمین شد ز نعل ستوران ستوہ
ہمان کوہ دریا شد و دشت کوہ

ز بس نعرہ و نالۂ کرنائے
ہمی آسمان اندر آمد ز جائے

سنانہائے رخشان و تیغ سران
درفش از بر و زیر گرز گران

بجوشید دشت و بجنبید کوہ
ز بانگ سواران ہر دو گروہ

ز آہن زمین بود و از گرز میغ
ستارہ سنان بود و خورشید تیغ

زمین لالہ گون شد ہوا نیلگون
برآمد ہمی موج دریائے خون

اسکے مقابلہ مین میر انیس کا رزمیہ دیکھو

ہنگامۂ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک
اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک

شہپور کی صدا سے ہراسان ہوے ملک
قرنا پھُنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک

شورِ دُہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑون سے گونجتا تھا وہ سب وادی نبرد
گردون مین مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد

تھا چرخ چارمین پہ رُخِ آفتاب زرد
ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد

گرمی ہجوم فوج سے وہ چند ہو گئی
خاک اس قدر اُڑی کہ ہوا بند ہو گئی

کانپے طبق زمین کے ہلا چرخ لاجورد — مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد — تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

گرمی سے رن کے ہوش اُڑے وحش و طیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در — جنگل مین چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر — دنیا مین خاک اُڑتی ہے اب جائین ہم کدھر

اندھیر ہے اُٹھی برکت اب جہان سے
لوٹ گیا زمین کا طبق آسمان سے

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد — ہلتے تھے کوہ کانپتا تھا وادی نبرد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمین بھی زرد — خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا مین گرد

اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر مین
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیط سپہر مین

فوج کی طیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل — تھے برچھیونکی صورت مقراض پھل پہ پھل
خنجر وہ جنکی آب مین تھی تلخی اجل — وہ گرز جنکے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل

دو دو تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
حلقون پہ تھے بچھے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش — کر ہو گئے تھے شور سے کروبیون کے گوش

تھرائی یون زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش
نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش

ڈھالین جھکین یون سرون پہ سواران شوم کے
صحرا مین جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزون ہے کثرتِ افواجِ نابکار
نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثل کارزار
ہر صف مین ہے سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان بہم ہین جیسے ہون گل بے کھلے ہوئے
گوشون سے ہین کمانون کے گوشے ملے ہوئے

دریا کی طرح لشکر کین مارتا ہے جوش
نیزے ہلا رہے ہین جوانان درع پوش
ہل من مبارز کا ہر اک صف مین ہے خروش
چلّے کھنچے ہوئے ہین کمانون کے تا بگوش
ہر صف مین ہے برچھیان بھی ہزارون لچکتی ہین
نوکین وہ تیز ہین کہ دلون مین کھٹکتی ہین
نیزے تلے ہوئے ہین سنانین چمکتی ہین
ترکش کھلے ہوئے ہین کمانین کڑکتی ہین

سنگین دلون نے ہاتھون مین تیر اُٹھائے ہین
تیغون کے ساتھ گرز گران سر اُٹھائے ہین

سپاہیون کی آمادگی جنگ

تنا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے

چتون کسی کی شور دہل سے بگڑ گئی
ولہ
منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی

نکلا کوئی سمند کو زانو مین داب کے
ولہ
غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹون کو چاب کے

پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
ولہ
پٹری ہر اک سوار کے گھوڑے پہ جم گئی

حملہ کا زور شور اور فوجون کی ہل چل

نکلی جو رن مین تیغ حسینیؑ غلاف سے
آڑنے لگے شرر دم خارا شگاف سے

بجلی بڑھی چمک کے جو دشتِ مصاف سے
صاف آئی الاماں کی صدا کوہ قاف سے
طبقے فلک کے صورتِ گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

لرزہ تھا تحت و فوق و جنوب و شمال مین
سکان غرب و شرق تھے بیم زوال مین
مضطر تھے شش جہت کے مکین ایک حال مین
غُل تھا کہ گھر گئے غضبِ ذوالجلال مین
شر کا غضب نمونۂ قہر الٰہ تھا
تلوار کیا علم تھی کہ عالم تباہ تھا

جنگل مین بھی علم جو وہ تیغِ شرر فشان
تھرا کے آسمان مین چھپتا تھا آسمان
غار اژدہون سے چھٹ گئے شیرون نے نیستان
برپا تھا بر و بحر مین اک شورِ الامان
مانند موج مچھلیون مین اضطراب تھا
زہرہ ہر ایک سنگ کا پانی مین آب تھا

اُٹھا جو الحفیظ کا روحانیون مین شور
ڈر سے دہل کے چونک پڑے سب میانِ گور
چلائے گرگ و شیر و غزالان و مار و مور
ہے بازوئے حسینؑ مین دست خدا کا زور
اُلٹے ہین مثل شیر خدا آستین کو
اے کردگارِ عرش بچا لے زمین کو

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر
تھین موج کی طرح سب اُدھر کی صفین اِدھر
چکر مین تھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور
پانی مین تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر
فوجین فقط نہ بھاگی تھین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارہ کو چھوڑ کے

تھا شش جہت مین غل کہ یہ ہے روز انقلاب
اُلٹے گا اس زمین کا ورق ابن بوتراب

اس شیر پر نہو گی کوئی فوج فتحیاب — بس اب بنا ہے عالمِ امکان ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوِ شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ہلتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہین — غل تھا کہ ہل نہ جائے سما سے سمک کہین
جنات بے حواس کہین تھے ملک کہین — سایہ کہین تھا تیغ کہین تھی چمک کہین
پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی نار سے
گرتی تھین تین بجلیان اِک ذوالفقار سے

پریون سے قاف چھوٹ گیا اور جنون کے گھر — شیرون سے دشت گرگ سے بن اژدرون کے در
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر — اُڑ کر گرے جزیرون مین جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کے

فوجون کی ابتری اور ہل چل

گرتی تھی برق تیغ جو ہر پل اِدھر اُدھر — سمٹے ہوئے تھے ڈھالون کے بادل اِدھر اُدھر
شبدیز تھا کہ پھر رہی تھی کل اِدھر اُدھر — بھاگڑ تھی قلب فوج مین ہل چل اِدھر اُدھر
ہر جا تنون کے ڈھیر سرون سے بلند تھے
بھاگین کہان گریز کے کوچے تو بند تھے

تیغین سپر کے ساتھ کٹین خود سر کے ساتھ — سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
ہل چل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہرا پسر کے ساتھ — اس معرکہ مین چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
بھاگے شریر خلعت و منصب کو چھوڑ کر
جانین روانہ ہو گئین قالب کو چھوڑ کر

سرہنگ شام ٹھوکرین کھا کھا کے مر گئے / جو بچ گئے ادھر سے اُدھر جا کے مر گئے
کتنے جوان سمون کے تلے آ کے مر گئے / پس پس کے سرمہ ہو گئے ٹکرا کے مر گئے
ہل چل نے استخوان بدن چور کر دیے
بیٹون نے پاؤن باپ کی چھاتی پہ دھر دیے

تھا الامان کا شور پریشان تھے اہل شر / تیغون کے نیچے ڈر کے چھپی تھی ہر اک سپر
ہاتھے علم گرتے تھے جھک جھک کے خاک پر / پرچم نے بال کھولے تھے فریادیون نے سر
دانتون مین خس ہراس سے تھے ہر جوان کے
چادر ہلا رہے تھے پھریرے نشان کے

بے رخ کمانین تیرون سے چلے کمان سے دور / مرغان تیر تھے ہوے آشیان سے دور
برچھے سے پھل گرے ہوے، تیر سنان سے دور / ہیرون سے عقل دور تہور جوان سے دور
تیغون کی کچھ خبر تھی، نہ ڈھالون کا ہوش تھا
نیزہ ہر اک سوار کو اک بار دوش تھا

در پے تھی سرکشون کی جو وہ تیغ جان ستان / گوشون سے تھی بلند صداے امان امان
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کمان / گردن سے سر رگون سے لہو اور تنون سے جان
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن مین کہین نشان قدر انداز کا نہ تھا

ملتا نہ تھا صفون مین علم کا نشان کہین / چلے کہین تھے شست کہین تھی کمان کہین
نیزے کہین تھے ڈانڈ کہین تھی سنان کہین / جمدھر کہین کمند کہین، برچھیان کہین
ایک ایک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالون کے پھولون سے باغ تھا

وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اُسکی چمک دمک
کانپی کبھی زمین کبھی تھرا گئے فلک
شعلہ مین یہ چمک تھی نہ بجلی مین یہ لپک
ہر ضرب مین سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین مین حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاوِ زمین سمٹتی تھی گھٹنون کو ٹیک کے

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤن سپاہ لعین ہٹی
یہ صف سوے یسار وہ سوے یمین ہٹی
سہمے جبال ہر کہین سے کہین ہٹی
دہشت سے آسمان ہوا اونچا۔ زمین ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتی گردون پہ چڑھ گیا

نعرہ جدا، صداے تکبیر و بدہ جدا
گوشے کمان سے دور تھے گوشون سے زہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے، زرہ جدا
نیزون کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق، گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتون کا ذکر کیا ہے کہ تیغون مین دم نہ تھے

مغفر نہ سر کے پاس، نہ خنجر کمر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ، نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ، نہ دستہ تبر کے پاس
کڑیان زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سنان پہ، نہ پرچم نشان پر
پیکان نہ تیر پہ تھا، نہ چلہ کمان پہ

معرکہ آرائی اور فنون جنگ کا اظہار

قدیم زمانہ مین جنگ کا دستور تھا کہ عام لڑائی سے پہلے دونون طرف سے پہلے ایک ایک شخص میدان مین نکلکر حریف سے معرکہ آرا ہوتا تھا، اس بنا پر تمام مرثیہ گویون نے اس قسم کی معرکہ آرائیان بیان کی ہین۔ لیکن مرزا دبیر وغیرہ یہ واقعہ اس طرح لکھتے ہین کہ یہ نہین اندازہ ہوتا کہ حریفون نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے

بخلاف اسکے میر انیس اس کو اس طرح ادا کرتے ہین کہ گویا فن جنگ کا بڑا ماہر لڑائی کے تمام داؤن پیچ بتا رہا ہے۔ چونکہ عرب مین سب سے پہلے لڑائی کی ابتدا رجز سے ہوتی تھی، اس لئے پہلے ہم رجز کا انداز دکھاتے ہین۔

رجز عرب مین سب سے پہلے حریف میدان مین نکل کر رجز پڑھتا تھا، یعنی اپنی شجاعت اور دلیری کا خود اظہار کرتا تھا، اس بنا پر میر انیس نے جا بجا رجز لکھا ہے، چونکہ امام حسین علیہ السلام کی زبان سے پہلوانی کا اظہار ان کے رتبہ کے شایان نہ تھا، اس لئے اکثر رجزون مین پہلوانی اور بہادری کے بجائے فضیلت اور شرف کا اظہار کیا ہے، مثلاً

؎

مین ہون سردار شباب چمن خلد بریں — مین ہون انگشتر پیغمبر خاتم کا نگین
مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین — مجھ سے روشن ہے فلک مجھ ہی سے منور ہے زمین
ابھی نظرون سے نہان نور جو میرا ہو جائے
محفل عالم امکان مین اندھیرا ہو جائے

پھر یہ بیان کرکے کہ جناب رسول اللہ صلعم اور جناب امیر و حمزہ سید الشہدا کے تمام تبرکات مجھی کو وراثت مین ملے ہین، فرماتے ہین ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار — یہ زرہ کسکی ہے پہنے ہون جو مین سینہ فگار
بر مین کسکا ہے یہ چار آئینہ جوہر دار — کسکا رہوار ہے یہ آج مین جس پر ہون سوار
کس کا یہ خود ہے، یہ تیغ دو سر کسکی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے، یہ سپر کسکی ہے

لیکن عام رجز کے قاعدہ کے لحاظ سے بعض بعض جگہ شجاعت اور زور و قوت کا بھی اظہار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین ؎

بخشا ہے مجھکو حق نے شہ لافتیٰ کا زور
اس دستِ مرتعش مین ہی دستِ خدا کا زور
ہے انگلیون سے بند مین خیبر کشا کا زور
پانی ہے میرے زور کے آگے ہوا کا زور
اُلٹون فلک کو یون جو ہو قصد انقلاب کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے ساغر حباب کا

آگے بڑھون جو تیر کو چلہ مین جوڑ کے
بھاگین خطا شعار کمانون کو چھوڑ کے
بیکار کر دون شیر کا پنجہ مروڑ کے
پٹکون زمین پر درِ خیبر کو توڑ کے
اُلٹون طبق زمین کے یون جھاڑ کے زین سے
جس طرح جھاڑ دیتے ہین گرد آستین سے

دنیا ہو اک طرف تو لڑائی کو سر کرون
آ جائے غضب خدا کا اُدھر رخ جدھر کرون
بے جبرئیلؑ کار قضا و قدر کرون
انگلی سے اک اشارے مین شق القمر کرون
طاقت اگر دکھاؤن رسالت مآبؐ کی
رکھدون زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

یہ تیغ سر پہ گر کے ٹھہرتی ہے زین پر
جب ہاتھ اُٹھائے برق گری ہر زمین پر
خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر
کٹا لیے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

گھوڑے پر سوار ہونا

لو اب سوار ہوتے ہین عباسؑ نامور
لو دامنِ قبا نے لیا بوسہ کمر
لوہٹ کے ہاتھ آپ نے رکھا ایال پر
لو آفتاب خانۂ زین مین ہے جلوہ گر
بچھالیا سمند کو زانو مین داب کے
لو دو ہلال بن گئے حلقے رکاب کے

دو حریفون کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ
فردوسی کا یہ بڑا کمال خیال کیا جاتا ہے کہ وہ

لڑائی کے تمام جزئیات داؤن پیچ، اور فنون جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ سرسری اور معمولی باتون کے سوا، لڑائی کے ہر قسم کے تمام کرتب نہین دکھاتا، سب سے بڑا سین جو اُس نے دکھایا ہے وہ رستم اور اشکبوس کا معرکہ ہے اس موقع کے چند اشعار یہ ہین ؎

خدنگی برآورد پیکان چو آب	نہادہ برو چار پر عقاب
بمالید چاچی کمان را بدست	بہ چرم گوزن اندر آمد شکست
ستون کرد چپ را و خم کرد راست	خروش از خم چرخ چاچی بخاست
چو زد تیر بر سینۂ اشکبوس	سپہر آن زمان دست او داد بوس
چو پیکان ببوسید انگشت اوے	گذر کرد از مہرۂ پشت اوے

ان اشعار مین تیر اندازی کا وہی معمولی طریقہ ادا کیا ہے، البتہ نہایت شاندار اور پُرزور الفاظ مین ادا کیا ہے۔ لیکن میر انیس لڑائی کے ہر قسم کے کرتب اور ہنر اس تفصیل سے بیان کرتے ہین کہ عربی اور فارسی مین اسکی نظیر نہین مل سکتی ملاحظہ ہو ؎

یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزہ کو دی تکان	چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں ؛
اک بند ھ باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہان	ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سنان سے لڑی سنان

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر	قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا اسپا کے سر
دو انگلیون مین نیزۂ دشمن کو تھام کر	جھٹکا دیا کہ جُھک گئی گھوڑے کی بھی کمر

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نا بکار کا
دو انگلیون سے کام لیا ذوالفقار کا

سنبھلا وہ بےشعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب
قبضہ مین لی کمان کیانی بصد غضب
چلہ مین تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسمؑ نوشاہ نے بھی تب

تیرِ نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونون ہات کہ چلہ اُتر گیا

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب مین وہ شقی بھی بلاے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد
کہتا تھا بازوے شہ دین، یا علیؑ مدد

یون روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرفِ سخت زبان پر وہ بدخصال
جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اُسکی سپر سے ڈھال

ادھر لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پانون رکھدیے سر پر سمند کے

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا
ہان اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا

گھوڑا بھی اس طرف کو، اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہات، کہ دو ہو کے گر پڑا

ایک اور موقع، سے

نیزے ہلے، وہ چل گئین چوٹین کہ الامان
ہر طعن قہر کی تھی، قیامت کی ہر سنان
چنگاریان اُڑین جو سنان سے لڑی سنان
دو اژدہے گتھے تھے، نکالے ہوئے زبان

پھیلے شرر، پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی بھتیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

ان کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند — بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
کیا دنیزہ بازی میں تھا بار بار بند — چوٹوں سے نیلگوں تھے جفاجو کے چار بند
خالی گئی نہ فرق کی نہ دست و پا کی چوٹ
کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکلکشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سنان — گھوڑا اڑا کے ہات کو اک جھٹکا نے دی کمان
اللہ رے زور اٹھ گیا گھوڑے سے پہلوان — دست شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ نا گہاں
نیزہ کے ساتھ شور اٹھا اس گروہ سے
لواژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ — بدلا تھا اس نے ٹھاٹ کہ چمکی ادھر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ — چلنے میں گھٹتی بڑھتی کس کس ہنر سے تیغ

ولہ

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال — شانے پہ آئی سینہ پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بتا کے کاٹ گئی وہ زرہ کا جال — چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بد خصال
روکے کسے ؟ جواب کسے دے ؟ کدھر پھرے ؟
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

چمکی جو تیغ ڈھال وہ لایا قریب سر — اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی سر گردن سے صدر پر — سینہ سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
سب نشۂ غرور جوانی اتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اتر گیا

ایک اور موقع سے

تولا شقی نے سنتے ہی یہ گرز گاو سر
اکبر نے دوش پاک سے لی ہاتھ مین سپر
آیا اُدھر سے گرز اِدھر سے چلا تبر
دو ہو گیا عمود مثال خیار تر
گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

بھالا سنبھالا دشمنِ ایمان نے مل کے ہاتھ
نیزے کے چار پانچ نکالے سنبھل کے ہاتھ
پہلے ہی تھک چکا تھا ستمگر اجل کے ہاتھ
بڑھتا نہ تھا جو پانون تو رکتا تھا چل کے ہاتھ
کم تھے نہ یہ بھی زور مین گروہ زیاد تھا
نیزے کے بند بند کا توڑ اُن کو یاد تھا

رکھکر تبر نیام سے لی تیغ شعلہ ور
ٹھہرا کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر
بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر
جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے امان نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سنان کی زبان نہ تھی

بالائے سر جو ڈانڈ کو لایا وہ خود پسند
کھولے تمام نیزۂ بیداد گر کے بند
پھینکی شقی نے فرق پہ جھنجلا کے پھر کمند
سر کو بچا کے شیر نے تلوار کی بلند
گردش تھی ہاتھ کی نہ بڑھے کچھ نہ ہٹ گئے
حلقے کھلے تھے جو وہ اشارے مین کٹ گئے

ہٹ کر خطا شعار نے جوڑا کمان مین تیر
تیر افگنی مین شہرۂ آفاق تھا شریر
سرکش خدنگ مرگ سے کیونکر ہو گوشہ گیر
چلّہ کٹا کمان کا زہے تیغ بے نظیر

قربان زورِ ضربت نصرت نشان سے
کھل کر قفا پہ بندھ گئے بازو کمان کے

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کمان ‏ ‏ ‏ نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں
سیسر ادھر اُٹھی تھی کہ جھکی اُدھر سنان ‏ ‏ ‏ بھالے کی نوک جھوک نئی تھی نئی تکان

سہما یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
ناوک زمین پہ تھا تو کمان آسمان پر

ایک اور موقع سے ؎

پیہم ہوئیں تکان پہ تکانیں جو یکدگر ‏ ‏ ‏ ظالم کبھی ادھر تھا تو حضرت کبھی اُدھر
کس نوک جھوک سے وہیں نیزے کو پھیر کر ‏ ‏ ‏ فرزند شیر حق نے دکھایا عجب ہُنر

ظالم پہ آسمان سے بلا ناگہاں گری
دو تین نیزہ اُڑ کے زمین پر سنان گری

چلہ میں رکھ کے تیر بڑھے قبلۂ اُمم ‏ ‏ ‏ اک ہات راست کرکے کیا دوسرے کو خم
کچھ کہہ کے گوشِ شہ میں چلا تیر تیز دم ‏ ‏ ‏ آواز دی کمان نے زہے شاہ باکرم

چلہ تو شست شاہِ زمن سے نکل گیا
واں تیر دل کو توڑ کے سن سے نکل گیا

گھوڑا

فردوسی کے ہاں گھوڑے کی تعریف میں جستہ جستہ دو چار شعر پائے جاتے ہیں، لیکن متاخرین نے اس مضمون کو بہت وسعت دی، اور مبالغہ کو حد سے بڑھا دیا، سب سے پہلے عبدالواسع جبلی نے ایک قصیدہ کی تشبیب گھوڑے کی مدح سے کی ؎

اے بہ بالا ہمچو آتش وے بسوے پستی چو آب ‏ ‏ ‏ خاک وصفی در درنگ و باد رنگی در شتاب

گر کنی پویہ نباشد ابر با تو ہم عنان	گر بری حملہ نباشد برق با تو ہم رکاب

مبالغہ ملاحظہ ہو

از جبل نہان شوی در سایہ پر پشہ	در بہ مہر جولان کنی در گوشہ چشم ذباب

"ایک شعر کے بعد لکھتے ہین کہ جب تو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے،
یا پستی سے بلندی پر چڑھتا ہے تو

نسبتی داری ہمانا با قضاے آسمان	قربتی داری ہمانا با دعاے مستجاب

عرفی نے بھی ایک قصیدہ گھوڑے کی مدح مین لکھا

اے طعن فلک نوشتہ بر سم	وے زلف صبا بریدہ از دم
بر غنچہ سبک روی بد انسان	کش خندہ نزاید از تبسم
تازی بہ لب فسانہ پرداز	زان گونہ کہ نشکنی تکلم

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے

آن سبک سیر کہ گر گرم عنانش سازی	از ازل سوے ابد و ز ابد آید بہ ازل
قطرہ ہا کش دم رفتن چکد از پیشانی	شبنم آسائش نشنیند گہ رجعت بہ کفل،
گر سر خصم تو بندند بہ پالیش دم نزع	تا قیامت بہ گلویش نرسد دست اجل

زلالی لکھتا ہے

ز جستن جستن او سایہ در دشت	چو زاغ آشیان گم کردہ می گشت

یعنی گھوڑا اس طرح جنگل مین اُڑتا پھرتا تھا کہ خود اس کا سایہ اس کو یون
ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس طرح کوا اپنے گھونسلے کو ڈھونڈھتا پھرے۔

اُردو مین مرزا سودا نے کہا

رو برو سے اگر آئینہ کے اس گلگون کو،	پھینکدے لیکے کبھی شرق سے تو غرب تلک

اتنے عرصہ مین پھر آئے تو اسے باور کر	عکس بھی آینہ سے ہونے نہ پائے منفک

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہین۔

ع سرعت کا یہ عالم ہے کہ سن بڑھ نہین سکتا ؎

ان تمام اشعار کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فارسی اور اُردو مین جو کچھ گھوڑے کی مدح مین لکھا گیا، وہ صرف ناممکنات کے افسانے تھے، کسی نے یہ نہین کیا کہ گھوڑے کا اصلی خدوخال، ڈیل ڈول، چہرہ مہرہ، چل پھر، آوُجاوُ کا نقشہ دکھاتا، میر انیس صاحب بھی اگرچہ مذاق عام کی پیروی سے اکثر بہکے ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

ع آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہو ؎

تنگی سے آسمان کی خفا یہ سمند ہے	کیونکر اُڑے، پری ہو کہ شیشہ مین بند ہے

تاہم ان کا اصلی جوہر بھی ہر جگہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو ؎

باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خون	گنڈے کو دیکھ کر مہ نو ہووے سرنگون
رفتار مین وہ سحر کہ پریون کو ہو جنون	غنچے بھی کچھ بڑے ہین کنوتی کو کیا کہون

قربان ہزار جان فرس بے نظیر پر
پیکان دو چڑھے ہوے ہین ایک تیر پر

نازک مزاج، وخوش قد وطناز وسربلند	وہ پیش وپس، وہ سم، وہ کنوتی، وہ جوڑ بند

ولہ

کوتاہ، وگرد، وصاف، کنوتی، کمر کفل	کیا خوشنما کشادگی سینہ وبغل

ولہ

وہ کھوتنی، وہ ابلی ہوئی انکھڑیان، وہ یال	گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال

وہ جلد، وہ دماغ، وہ سینہ، وہ سم، وہ چال | ولہ | دم مین کبھی ہما، کبھی ضیغم، کبھی غزال

وہ قصر آسمان پہ بھی جانے مین طاق تھا
دو پر خدا اگر اُسے دیتا براق تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند
سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند
سانچے مین تھے ڈھلے ہوے سب اُسکے جوڑ بند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند

پُتلی جدھر سوار نے پھیری وہ مُڑ گیا
اُترا براق بن کے پری ہو کے اُڑ گیا

جرات مین رشک شیر، تو ہیکل مین سلیتن،
بجلی کسی جگہ تو کہین ابر قطرہ زن
پوئی کے وقت کبک دری جست مین ہرن،
بن بن کے آنے جانے مین طاؤس کا چلن

سیماب تھا زمین پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

افزون ہے زلف حور سے خوشبو ایال کی
پریان خرام ناز مین شاگرد چال کی
دیکھین تو لین بلائین سدا بال بال کی
غصہ مین جست شیر کی، شوخی غزال کی

وہ حسن تن پہ ساز کا۔ جوبن براق کا
دلدل کے ہات پانون تو چہرہ براق کا

غصے مین انکھڑیون کے اُبلنے کو دیکھئے
سانچے مین جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے
جوبن مین جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
تھم کر کنوتیون کے بدلنے کو دیکھئے

وہ تھوتنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
وہ انکھڑیان خجل ہون ہرن جس کو دیکھ کر

ع وہ شوخیان فرس کی، وہ سرعت، وہ آؤ جاؤ،

گھوڑے کی غیظ کی تصویر

مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن　　آنکھیں ابل پڑیں صفت آہوے ختن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن　　غل پڑ گیا کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
میخیں زمیں کی اسکی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

گھوڑے کی تیزروی اور چل پھر

سمٹا، جما، اڑا، ادھر آیا اُدھر گیا　　چمکا، پھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اڑ کے برچھیوں میں سنخطر گیا　　برہم کیا صفوں کو، پرے سے گذر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اسکے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے　　سرعت بلائیں لیتی تھی منہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے　　غل تھا یہ غول میں پسر سعد شوم کے
رخش ایسا روم و رے میں نہیں شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو ابلق ایام میں نہیں ؂

آہو کی جست، شیر کی آمد، پری کی چال　　کبک دری خجل، دل طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال　　آگے وہ قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا، کبھی رہوار بن گیا　　آیا عرق تو ابر گہر بار بن گیا
گہ قطب، گاہ گنبد دوار بن گیا　　نقطہ کبھی بنا، کبھی پرکار بن گیا

حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ اُس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار — مرثیہ گویون کا سب سے بڑا موضوع شاعری یہی ہے' اور مرزا دبیر صاحب تو اس عالم مین لامکان تک پہنچ جاتے ہین' لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سب کچھ کہتے ہین اور غور سے دیکھئے تو تلوار کے متعلق کچھ نہین کہتے' چنانچہ فرماتے ہین -

مرزا دبیر

نذ نگہِ چشمِ نیام اوج پر آیا ؛		اور صاف ہر اک فردِ بشر کو نظر آیا
خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا	ولہ	یا دوڑ کے ظلمت کے گلے سے خضر آیا
ظلمات مین یہ فتح پہ قبضے کئے پھری	ولہ	یونس کو جیسے بطن مین ماہی لئے پھری
مثل ہوا سرون مین سمائی چلی گئی	ولہ	بو کی طرح دماغون مین آئی چلی گئی
ذات اک طرف مٹا دیا اسنے صفات کو	ولہ	کیسی زبان زبان مین یہ کاٹ آئی بات کو
کاف تنگاف بن کے درون جگر گئی	ولہ	مانند میم مرگ، میان کمر گئی
لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی	ولہ	مانند پیش ہر جز و کل سے گذر گئی
تلوارون پر وہ سیف جو شعلہ فشان ہوئی	ولہ	جل بھن کے آب تیغونکی رن مین دھوان ہوئی
کیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو آب حسام فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام	ولہ	بنا خزانۂ قارون خزانۂ حمام ہوا رطوبتِ اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد و فور گرا ؛
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

خود انصاف کرو یہ تلوار کی تعریف ہے یا ہوائی طلسم ہے -
میر انیس صاحب بھی اگرچہ سامعین کی بدمذاقی کے اثر سے کہین کہین بے راہ

نکل جاتے ہین تاہم واقعیت اور اصلیت کا جوہر ہر جگہ نمایان رہتا ہے سب سے
پہلے دیکھو تلوار کا سراپا کس طرح کھینچتے ہین ؎

پشہ وہ اس کا اور وہ باریکی شمشیر ۔۔۔ کس بل مین بےمثال اصالت مین بے نظیر

ولہ

دلسوز، شعلہ خو، شرر انداز و جانگداز ۔۔۔ لشکر کش و شکست رسان ظفر نواز
خونخوار و کج ادا و دل آزار و سرفراز ۔۔۔ حاضر جواب، تیز طبیعت زبان دراز

کج اس کی ہے پسندِ جہان گو کجی نہ ہو
معشوق پھر نہین کہ جو اتنی کجی نہ ہو

ذوالفقار سے تشبیہ ؎

جوہر وہی، برش کا وہی طور، خم وہی ۔۔۔ تیزی وہی غضب کی، وہی گھاٹ دم وہی
چلنا اسی طرح کا، چمک دمبدم وہی ۔۔۔ رنگت زمردی وہی، پانی مین سم وہی

تلوار کا کاٹ اور اسکی تعریف

چمکی گری، اٹھی، ادھر آئی ادھر گئی ۔۔۔ خالی کیے پرے، تو صفین خون مین بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی ۔۔۔ ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اتر گئی

اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہین
ایسا تو رودِ نیل مین بھی جذر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغِ دو سر گری ۔۔۔ کٹ کر کسی کی تیغ، کسی کی سپر گری
چمکی کبھی فلک پہ، کبھی فرق پر گری ۔۔۔ سر کاٹ کر ادھر سے جو اٹھی ادھر گری

زرہین تنون مین مثلِ کفن چاک ہو گئین
اِک آن مین صفین کی صفین خاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یا یہ خدا کا قہر ۔۔۔ بہتی ہے جسکی آگ سے کوسون لہو کی نہر

ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکے نہین ہے لہر
اُترہی گلے سے، چڑھ گیا سارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم، ڈر سے کلیجے فگار ہین
جوہر نہین ہین تیغ مین، دندانِ مار ہین

یکتا برش مین جوہر ذاتی مین فرد ہین
چمکی اُحد مین خیبر و خندق مین بدر مین

تیزی وہی تھی سان کی اس آشوب غدر مین
بڑھ کر سپر سے سر مین گئی، سر سے صدر مین

کھچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری
برچھی سے اُڑ گئی وہ سنان، یہ گرہ گری

ترکش کٹا کمانِ کیانی سے زہ گری
یہ سر اُڑا، وہ خود اڑا، یہ زرہ گری

آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والونکے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالونکے ہر طرف

پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالونکے ہر طرف

خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی ؎
انبار تھین کٹی ہوئی شاخین کمان کی

کیا کیا چمک کھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
تلتی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے

پانی وہ خود پئے ہوے تھی گھاٹ گھاٹ کے
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے

کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر بات مین اُڑا کے کلائی نکل گئی ؎
کوندی گری زمین مین سمائی نکل گئی

کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی

چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے
جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر
پہنچون سے ہات شانون سے بازو تنون سے سر
قبضہ سے تیغ، بر سے زرہ، ہات سے سپر
برچھی سے پھل، کمان سے زہ، زین سے تبر

ترکش کہین پڑے تھے نشان زری کہین
پیکان کہین تھی، شست کہین تھی، سری کہین

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر
اڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر
چھپتی تھین بھاگی جاتی تھین گرتے تھے خاک پر
قبضون سے تیغین جسم سے زرہین تنون سے سر

سپے تھے قدم، گریز کے کوچے بھی بند تھے
شعلہ وہ تیغ تھی سر اعدا سپند تھے

چھپتے تھے یون وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
بھاگے شعاع مہر سے جس طرح شپرک
اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک
چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک

ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع مین
سجدے مین تھی زمین تو فلک تھا رکوع مین

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یون آ کے اوج سے
پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے
چمکی جو برق سی تو نکل آئی تنگ سے
رکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے

خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپولا حباب کا

ہم خم وہ تیغ کا وہ لگاوٹ وہ آب و تاب
آتش کسی جگہ کہین بجلی کہین سحاب ؛

سیلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اُسکی تاب
تیزی زبان میں وہ کہ فرشتوں کو دے جواب

جوہر سے اُس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی
غل تھا کہ ایک گھاٹ مین پانی بھی نار بھی
بجلی بھی ابر تر بھی خزان بھی بہار بھی
تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اُسکے آگ لگا دی زمانے مین
اِک آفت جہان تھی لگانے بجھانے مین

نیزے کے بند بند قلم برچھیان دو نیم
مثل قلم زبانِ درازِ سنان دو نیم
چار آئنہ کٹے ہوے گرز گران دو نیم
مغفر سے تا کمر جسدِ پہلوان دو نیم

سالم تھا پیشِ آئنہ تیغ جو نہ تھا
لشکر مین کونسا تھا وہ یکتا جو دو نہ تھا

وہ تیغ جب بڑھی صف کفار ہٹ گئی
چمکی جو برق ڈھالون کی بدلی سمٹ گئی
دم بھر مین یون صفون کو اُلٹ کر پلٹ گئی
رن کی زمین لہو کے دڑیڑون سے کٹ گئی

دریا بھی آبِ تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

اس موقع پر شاید تمھارے ذہن مین یہ خیال آئے کہ میر انیس کی رزمیہ مین گو الفاظ کی شکوہ و شان کی کچھ انتہا نہین لیکن اصلیت اور واقعیت سے یہ مراحل دور ہین کربلا کا واقعہ نتائج کے لحاظ سے بے شبہہ ایک اہم واقعہ ہے لیکن معرکہ آرائی کے لحاظ سے اسکی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سر و سامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا، جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے مین لڑائی کا فیصلہ ہو گیا

ایسے واقعہ کے متعلق یہ کہنا کہ زمین تھرا گئی، آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا اُبل پڑے، فرشتے آسمانون مین چھپتے پھرتے تھے وغیرہ وغیرہ، واقعیت سے کسقدر دور ہے -

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاعری مین اصلیت اور واقعیت کا لحاظ تاریخی حیثیت سے نہین کیا جاتا بلکہ صرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ شاعر کو ان واقعات کا یقین ہے یا نہین ؟ اگر وہ ان باتون پر یقین رکھتا ہے، اُن کے اثر سے لبریز ہے، اور جسقدر اُس کے دل پر اثر ہے اُسی جوش کے ساتھ اُن کا اظہار بھی کرتا ہے تو اُسکی شاعری بالکل اصلی ہے - فرض کرو کہ شاہنامہ کے تمام واقعات غلط ثابت ہو جائین تو اس سے فردوسی کے کمال شاعری مین کیا فرق آئے گا - ؟

شاعر کو قطعی یقین ہے کہ امام حسین علیہ السلام تمام عالم کے کاروبار کے مالک ہین، جن و انس، شجر حجر، سب اُن کے محکوم ہین، اُن کا غیظ مین آنا، کردگار عالم کا غیظ مین آنا ہے، اس صورت مین اگر اُن کی حملہ آوری سے زمین و آسمان ہل جائین اور دنیا متزلزل ہو جائے تو استعجاب کی کیا بات ہے، یہ ضرور ہے کہ اس حالت مین بھی وہی واقعات بیان کرنے چاہیین جن سے طبیعت پر واقعی اثر ہو، صرف موہوم خیال بندی اور لفاظی نہ ہو، جیسا مرزا دبیر صاحب کا انداز ہے۔

یہ بات بھی بظاہر کھٹکتی ہے کہ رزم کے بیان مین عشقیہ الفاظ استعمال کرنا، بلاغت کے خلاف ہے، اور میر انیس اکثر تلوار کی تعریف مین اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہین، مثلاً ؎

کس تکلف سے وہ لیلائے ظفر راہ چلی،	گہ بڑھی، گاہ رُکی، گاہ تھمی، گاہ چلی،
کاٹھی سے اسطرح ہوئی وہ شعلہ رو جُدا	جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جُدا

یہ اسی کی ہے پسند جہان گو سجی نہ ہو، – معشوق پھر نہیں کہ جو اتنی کجی نہ ہو،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض کی بات نہین، بلکہ میر انیس کے محاسن شاعری مین داخل ہے، علامہ ثعلبی نے تیمۃ الدہر مین جہان متنبی کے محاسن گنائے ہین وہان لکھتے ہین، ؎

منها استعمال الفاظ الغزل والنسيب في اوصاف الحرب
وهو ايضا مما لم يسبق اليه وتفرد به واظهر فيه الحذق

متنبی کے محاسن مین سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لڑائی کے بیان مین غزل کے الفاظ استعمال کرتا ہے، اور یہ بھی اُس کی اُن خصوصیات مین ہے جن کی پہلی کوئی نظیر نہین ملتی، اور جن مین وہ متفرد ہے -

اس کے بعد متنبی کے بہت سے اشعار نقل کئے ہین، جن مین سے ایک یہ ہے ؎

قد صبغت خدها الدماء كما – يصبغ خد الخريدة الخجل

زمین کے چہرہ کو خون نے اس طرح رنگین کر دیا ہے، جس طرح شرم کی حالت مین معشوق کے چہرہ پر سرخی آجاتی ہے،

لیکن یہ بہت نازک موقع ہے، رزم مین عشقیہ الفاظ اور تشبیہات کا استعمال وہین تک جائز ہے، جہان تک کلام کا اثر نہ جانے پائے اور کلام مین ابتذال نہ آجائے، مرزا دبیر صاحب نے بھی میر انیس کی تقلید کرنی چاہی لیکن کلام کا یہ رنگ ہوگیا ؎

تلوار کی تعریف

جب خون مین بھری فوج کی انبوہ سے نکلی – غل یہ تھا کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی،

سلام

اُردو شاعری کی اصلی بنیاد غزل کی زمین پر قائم ہوئی اور اقسام سخن مین سے اسی کو سب سے زیادہ فروغ ہوا، عام مرثیہ گویون نے اپنے مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے مسدس کا طریقہ اختیار کیا لیکن غزل کی لے اسقدر کانون مین رچ چکی تھی کہ ان لوگون کو بھی اُس انداز مین کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا تھا، اس بنا پر اُنھون نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا، سلام کی بحرین وہی غزل کی ہوتی ہین، غزل کی طرح مضمون کے لحاظ سے ہر شعر الگ الگ ہوتا ہے، سلام کی خوبی یہ ہے کہ طرح شگفتہ اور نئی، بندش سادہ اور صاف، مضمون درد انگیز اور پرتاثیر ہو، میر انیس کے سلامون مین یہ تمام باتین پائی جاتی ہین، نمونہ ملاحظہ ہو

صبر کرتے تھے سلامی! شہ والا کیا کیا ۔۔۔ اہل کین دیتے تھے مظلوم کو ایذا کیا کیا

شاہ فرماتے تھے پانی نہین ملتا لیکن ۔۔۔ سامنے آنکھون کے لہراتا ہے دریا کیا کیا

سر شبیرؑ سے کہتے تھے یہ رو رو سجادؑ ۔۔۔ رنج دیتے ہین مجھے راہ مین اعدا کیا کیا

ق طوق و زنجیر سنبھالون کہ مہار اونٹون کی ۔۔۔ کام آتے ہین کرون مین تن تنہا کیا کیا

رو رو کہتی تھی یہ صغراؑ کہ گئے جا قاصد ۔۔۔ تو نے کیا کیا کہا اور شاہ نے پوچھا کیا کیا

دیکھ کر فوج حسینی کو عدو کہتے تھے ۔۔۔ ساتھ لائے ہین جوان سید والا کیا کیا

خط لئے لاشہ اکبرؑ پہ یہ کہتے تھے امام ۔۔۔ دیکھو بیٹا! تمھین صغراؑ نے ہے لکھا کیا کیا

ایضاً

کچھ اور جز زبان نہین اہل سخن کے پاس ۔۔۔ پھر آئی کیا زبان کے سوا ہے؟ دہن کے پاس

سمجھے یہ سب کہ عونؑ و محمدؑ ہوے شہید ۔۔۔ روتے ہوے حسینؑ جو آئے بہن کے پاس

چلائی بانو دیکھ کے اصغرؑ کو قبر مین — مجھکو بھی گاڑ دے کوئی اُس گلبدن کے پاس
صدمہ سے کانپنے لگے عابدؑ کے ہاتھ پانون — جس وقت بیڑیان نظر آئین رسن کے پاس

ایضاً

سلامی آنکھ سے رہ رہ کے خون دل ٹپکتا ہے — غم سجادؑ بیکس دل مین کانٹا سا کھٹکتا ہے
دم تحریر یہ گلریزی ہے یا سطرین ہین کاغذ پر — صریر کلک ہے یا باغ مین بلبل چہکتا ہے
پھرے تھے کربلا کی راہ سے کچھ سوچ کر حضرت — وگرنہ رہبر عالم کہین رستہ بھٹکتا ہے
حرم رونے لگے کہا جب آسمان کو دیکھکر شہؑ نے — علی اکبرؑ اذان دو صبح کا تارا چمکتا ہے
زمین کربلا پر فاطمہؑ کے پھول بکھرے ہین — شہیدونکی یہ خوشبو ہے کہ سب جنگل مہکتا ہے
تن رنجور پر ہات اپنا زینبؑ رکھ نہین سکتی — تپ غم سے بدن سجادؑ کا ایسا دہکتا ہے
کہا بانوؑ نے شہ سے تیر چلتے ہین کلیجہ پر — مرا منہ جب یہ بچہ نرگسی آنکھون سے تکتا ہے
ق یہ ننھے ننھے دونون ہاتھ بل کھاتے ہین سینہ پر — مسوڑے ہو گئے ہین نیلگون تالو لپکتا ہے

ایضاً

مجرئی جب کہ عیان ماہ عزا ہوتا ہے — چرخ پر ماتم شاہ شہدا ہوتا ہے
پھیر دین آنکھین جو اصغرؑ نے پکاری بانوؑ — دوڑ دوا سے بی بی ہیو دیکھو تو یہ کیا ہوتا ہے
دیر بیٹون کو لگی رن مین تو زینبؑ نے کہا — لاشین آتی ہین اگر فضل خدا ہوتا ہے
کہتی تھی خلق خدا دیکھکے عابدؑ کو اسیر — کہین بیمار بھی رسی سے بندھا ہوتا ہے

ایضاً

سدا ہے فکر ترقی بلند بینون کو — ہم آسمان سے لائے ہین ان زمینون کو
یہ جھریان نہین ہاتھون پہ ضعف پیری نے — چنا ہے جامۂ اصلی کی آستینون کو
لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار — خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو

بھلا تردد ِ بیجا سے اس مین کیا حاصل		اُٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو
خیالِ خاطر احباب چاہیئے ہر دم		انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینون کو

رباعیات

صوفیانہ اور اخلاقی مضامین کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ موزون چیز رباعی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن شعرا مثلاً خیام، سحابی، سلطان ابوسعید ابوالخیر نے ان مضامین کو اپنا موضوع شاعری قرار دیا تھا، اُنھون نے رباعی کے سوا، تمام عمر مین اور کچھ نہ لکھا،

اُردو شاعری مین چونکہ یہ مضامین بہت کم ادا کئے گئے، اس لئے رباعیان بہت کم پائی جاتی ہین، سودا نے البتہ نہایت کثرت سے رباعیان لکھین لیکن اکثر عشقیہ یا خیال آفرینی کی غرض سے لکھی ہین،

میر انیس کی رباعیون کا ایک بڑا دفتر ہے، اور ہر رباعی مین کوئی نہ کوئی اخلاقی مضمون ادا کیا گیا ہے، بعض ایسی بھی ہین جن مین صرف مضمون بندی یا کوئی صنعت ہے، چنانچہ ہر قسم کے نمونے ذیل مین درج ہین۔

رباعی

اب خواب سے چونک وقت بیداری ہے		بے زادِ سفر کوچ کی طیاری ہے
مر مر کے پہنچتے ہین مسافر وان تک		یہ قبر کی منزل بھی عجب بھاری ہے

ایضاً

ہموار ہے گو تو تجھکو کچھ باک نہین		سرکش ہو اگر تو عقل و ادراک نہین
پاتا نہین تمند خو کدورت کے سوا		دامن مین ہوا کے کچھ بجز خاک نہین

رباعی

راہی طرفِ عالمِ بالا ہون مین
دنیا سے عدم کو جانے والا ہون مین
یارب ترا نام پاک جپنے کے لئے
گویا اک ہڈیون کا مالا ہون مین

ایضاً

مرمر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤن اے قبر
مین نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

یضاً

کٹ جاتے ہین خود رنگ بدلنے والے
کب تھمتے ہین اشک جو ہین ڈھلنے والے
اللہ رے سخن کی تیرے تاثیر انیس
رو دیتے ہین مثل شمع جلنے والے

ایضاً

ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوے تو پیری نے کہا
چلیئے اب چوبدار مرگ آیا ہے

ایضاً

نافہم سے کب داد سخن لیتا ہون
دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہون
چھپتی نہین بوے دوستان یکرنگ
کانٹون کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہون

ایضاً

رتبہ جسے دیتا ہے خدا دیتا ہے
وہ دل مین فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہین تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

ایضاً

کیا قدر زمین کی آسمان کے آگے
جھکتے ہین قوی بھی ناتوان کے آگے

نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہین — دندان صف بستہ ہین زبان کے آگے

رباعی

جس شخص کو عقبے کی طلبگاری ہے — دنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے
ایک آنکھ مین کس طرح سمائین دونون — غافل! یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

دیگر

کس دن فرس خامہ تگ و دو مین نہین — مجھ سا بھی سیہ بخت کوئی سو مین نہین
ہرچند کہ ہون خسروِ اقلیم سخن — بزغیر دوات اکچھ قلمرو مین نہین

دیگر

جس جا ذکر حسینؑ ہو جاتا ہے — رونے سے دلون کو چین ہو جاتا ہے
اگر بزم عزائے شہ مین رونا — ہر شخص پہ فرض عین ہو جاتا ہے

دیگر

جو روضہ مین باریاب ہو جاتا ہے — ہر کام مین کامیاب ہو جاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو قبر حیدرؑ پہ چراغ — وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

اعتراضات

میر انیس کے کمال کا اگرچہ جس قدر مجھکو اعتراف ہے شاید ہی کسی اور کو ہوگا، تاہم میرا یہ دعویٰ نہین کہ اُن کا کلام فروگذاشتون اور غلطیون سے پاک ہے۔ ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین باوجود دعوی آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رُخ اُس کو دکھائے جائین۔

لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین جس چیز نے اُن کو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے جس کا اثر رگ و پے مین سرایت کر گیا ہے اور عذر کرنے والون کو خود اس کا احساس نہین ہوتا، اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ ان اکابر کی تقلید کرتے ہین اُن مین ہزارون ایسے ہوتے ہین، جن کو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی، اس لیئے وہ اچھی باتون کے ساتھ، اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین، اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اس کا اثر پھیل جاتا ہے۔

بہرحال ہماری راے ہے کہ جس وسعت اور تفصیل کے ساتھ میر انیس کی خوبیان ظاہر کی گئی ہین، اسی طرح نہایت آزادی اور بیباکی کے ساتھ اُن کی ہر قسم کی فروگذاشتین اور غلطیان بھی ظاہر کی جائین۔

ایک زمانہ ہوا عبدالغفور خان نساخ نے میر انیس کی بہت سی غلطیان ایک رسالہ مین ظاہر کی تھین، چنانچہ شروع کتاب مین اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ پہلے ہم ان اعتراضات کو اجمالاً مع جواب کے نقل کرتے ہین۔

۱۔ میر صاحب نے جابجا سینہ۔ مدینہ۔ کینہ۔ قرینہ۔ کو دانا اور بینا کا قافیہ باندھا ہے مثلاً ؎

حق نما ہے تو جہان مین ہے یہی آئینہ		اسکا عاشق ہو تو ہون کور کی آنکھین بینا

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قدماء کا طریقہ تھا، اور میر انیس کا ابتدائی کلام قدماء کے استعمال کے موافق ہے۔ اس جواب پر اسقدر اور اضافہ کرنا چاہیئے کہ گو متاخرین نے اس کو ترک کر دیا لیکن کلام کی وسعت کے لیئے یہ سختیان اُٹھا دینی چاہیین، شاعری سے وصل اور ہجر کے سوا، اور بھی کام لینے ہین اور وہ بغیر اس کے نہین ہو سکتا کہ قافیہ

مین وسعت پیدا کی جائے، ورنہ شاید یورپ کی طرح سرے سے قافیہ سے دست بردار ہونا پڑے گا۔

۲۔ جن الفاظ مین نون کا اعلان ضرور ہے میر صاحب اکثر جگہ اعلان نہین کرتے مثلاً ؎

عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ دوجہان	تم جا کے اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جان

اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے۔

۳۔ جہان نون کا اعلان جائز نہین وہان اعلان کرتے ہین، مثلاً ؎

لپٹون گلے سے مین پدرِ ناتوان کے	سینے سے تو سرک تو مرے بابا جان کے

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شعر میر صاحب کا ہے ہی نہین، الحاقی ہے۔

لیکن میر صاحب کے ہان کثرت سے اسکی مثالین پائی جاتی ہین اس لیے یا تو میر صاحب کی غلطی تسلیم کرنی چاہیے یا یہ کہنا چاہیے کہ یہ بھی میر صاحب کی توسیعات شعری مین داخل ہے، ؎

علم گویا کہ تھا شبیہ علم سربسر نشان	ڈوبا تھا خون سے پنجۂ پر نور اور نشان

اس شعر مین سربسر کا قافیہ اور ہے، اور یہ بالکل غلط ہے۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ مصرعۂ ثانی اصل مین یون ہے "ڈوبا تھا خون مین پنجۂ پر نور زر فشان"

۵۔ اکثر جگہ شایگان قافیے ہین، چنانچہ نساخ نے بہت سے اس قسم کے شعر نقل کئے ہین، مجیب نے ان تمام شعرون سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ یون نہین بلکہ یون ہین، مثلاً اس بند مین ؎

ناگاہ بڑھی فوج، ہوا جنگ کا سامان	اور گھٹنے لگی طاقت جسم شہ مردان
شہزادے پہ جب پڑنے لگا تیرون کا باران	تلوار علم کرکے کہا یا شہ مردان

شہ مردان مکرر آیا ہے، مجیب صاحب کہتے ہین کہ دوسرے مصرع مین شہ مردان کے بجاے شہ ذی شان تھا۔ غلط نویسون نے ذی شان کا شہ مردان بنا دیا لیکن اس قسم کی تاویلات پر اعتبار کرنا مشکل ہے، اور اگر اس کو وسعت دی جائے تو جہان جس لفظ پر اعتراض ہو نہایت آسانی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یون نہین یون تھا۔ اس شعر مین تو سرے سے اعتراض ہی غلط ہے، کیونکہ شہ مردان سے ایک جگہ امام حسینؑ اور دوسری جگہ حضرت علیؑ مراد ہین، اس لئے قافیہ مکرر نہین، لیکن جہان واقعی قافیہ شایگان ہے، وہان بھی تاویل کی ضرورت نہین۔ جو اساتذہ کثیر الکلام ہین اور جن کو سیکڑون قسم کے مضامین ادا کرنے پڑتے ہین، وہ اس قسم کی قیدون کی پابندی نہین کرتے۔

۶۔ اکثر جگہ حروف تقطیع مین گر جاتے ہین۔ مثلاً

ع رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر،

ع یہ کہہ کے بس عورات نے عریان کئے سر

ع باہین جو گلے مین تھین تو بند دیدۂ خونبار،

ان اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کاتبون کی غلطی ہے، پہلا مصرع یون ہے ع بیوہ ہوئی اک رات کی بیاہی ہوئی دختر، اسی طرح اور مصرعون کو بدلا ہے۔

حرفون کا تقطیع مین گرانا، اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہان کثرت سے اسکی مثالین پائی جاتی ہین ؎

عزت شیرازی

مرا پند خردمندان مجال خود نمی آرد		باین افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد

عاقل	تا توانی تختہ بند یک مقام عاقل مباش	
علی	اے رگ جان بہار این ہمہ بیرنگی چیست	خاک از مقدم تو خون شدن عادت دارد
غنی	تن گل عارض گل بدن گل چہرہ گل رخسار گل	
	بدہ ساقی آن آب یاقوت را	کہ سازم علاج عقل فرتوت را

ان کے سوا اور بہت سی مثالین ہین، جنکو تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کیا گیا۔

۷۔ ناگاہ بجا فوج عدو مین طبل جنگ،

ہو مغفرت خلیق کی یا ربِ ذوالکرام،

طبل متحرک الاوسط صحیح نہین، اور ذوالکرام مہمل لفظ ہے مجیب صاحب کہتے ہین کہ اصل مین طبل کے بجاے دُہل، اور ذوالکرام کے بجاے یا خالق الانام ہے۔

۸۔ تھا زیر زرہ گاو سر اس طرح کا بکتر،

اعتراض۔ بکتر گاو سر نہین ہوتا۔

جواب۔ اصل مین یون تھا ع پہنے ہوے زیر زرہ اس طرح کا بکتر۔

۹۔ آترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا عالی، "کونین کا عالی" غلط ہے۔

جواب۔ اصل مین عالی کے بجاے والی ہے۔

۱۰۔ رنگ [illegible] ہوگیا فق سے۔ رنگ فق سے ہوگیا محاورہ نہین،

اس کا جواب یہ دیا ہے کہ میر انیس جو کچھ کہہ دین وہی محاورہ ہے۔

۱۱۔ شرمندہ زمانہ سے گئے وائل و سحبان۔ وائل کوئی فصیح نہین گذرا

جواب۔ اصل یون ہے۔ وعقیل و سحبان۔

ان اعتراضات کے علاوہ، نسّاخ نے اور بھی بہت سے اعتراض کیے ہین لیکن چونکہ وہ صحیح نہ تھے، قلم انداز کیے گئے، نسّاخ نے بہت سے صحیح اعتراضات چھوڑ بھی

دیئے اُن کی تفصیل ذیل مین ہے ۔

بت توڑ کے کعبہ کو صفا کر دیا کس نے،	"صاف کر دیا" چاہیئے ۔
برخاست کی چراغون کو پروانگی ہوئی،	پروانگی غلط ہے ۔
جو حرف قرآن کا ہو نہ ہے لائق تعظیم،	قرآن بروزن فعلان ہے ۔
ایسا بھی کوئی بیکس و بے آس نہ ہوگا،	بے آس کا عطف بیکس پر جائز نہین ۔
گرتے تھے طیوران ہوا کھولے ہوے پر،	طیور - خود جمع ہے، اسکی جمع الجمع نہ صحیح ہے نہ مستعمل ۔
جو خوبیان کہ چاہیین وہ سب حصول ہین،	حصول کے بجاے حاصل چاہیئے ۔
کتی نہین پانی کی سلامت رہین عباسؑ	کتی انفار اور اراذل کی زبان ہے ۔

واللہ اُس سے زور عیان لا تعد ہوا		قتل اس کے ہات سے عمر عبدود ہوا

عبدود، لا تعد کا قافیہ نہین ہو سکتا ۔	
کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے،	فرار بہ تشدید را چاہیئے ۔
عالم کی تغیری بہ بحالی کی ہے آمد،	تغیری صحیح نہین ۔
مت روکنا ہے خاطر مہمان واجبات،	واجبات سے، یا واجب چاہیئے ۔
اس مژدہ کو سنتے ہی خوشی ہوگئی شیرین	خوش چاہیئے ۔

اس قسم کی اور بہت سی غلطیان ہین، اور غلط نویسی کا عذر ہر جگہ کام نہین آسکتا ۔ حقیقت یہ ہے کہ میر انیس کے کلام مین اس قسم کی غلطیان ضرور موجود ہین ۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس قدر قادر الکلام اور پرگو شعرا گذرے ہین سب کی یہی حالت ہے، فردوسی سے بڑھ کر کون قادر الکلام ہوگا، متاخرین مین قاآنی کا جواب نہین ان دونون کے کلام مین اس قسم کی ساقط البیان کثرت سے موجود ہین ۔ لوگ، اُن شعرا کو نمونہ بناتے

ہین جنکی شاعری کا دائرہ چند عشقیہ خیالات تک محدود ہے۔ لیکن جو شخص سیکڑون قسم کے مختلف واقعات کو شعر مین ادا کرنا چاہتا ہے، ان مسامحات سے کیونکر بچ سکتا ہے، اس لئے قادر الکلام شعرا کو اس جرم سے بری رکھنا چاہیئے۔

لفظی غلطیون کے سوا معنوی حیثیت سے بھی بہت سی باتین قابل اعتراض ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) اکثر جگہ مصرعون مین باہم ربط نہین ہوتا، اور صاف نظر آتا ہے کہ دوسرا مصرعہ برجستہ نکل آیا تھا، اس کے لئے زبردستی قافیہ اور ردیف کی رعایت سے اوپر کا مصرعہ پیوند کیا ہے، مثلاً ؎

سر بر کہین ہوے ہین سختی سے دنی کہین		بوڑی کہین بھتی ڈانڈ کہین تھی، انی کہین
سمجھو نہ دور آنکھ ملانے کی دیر سے		پتلی ہے چشم مین کہ ترائی مین شیر ہے
بے مثل تھی شرف مین اصالت مین نیک تھی		لمجاتین دو زبانین جو اس کو تو ایک تھی
خواہان تھے زیب گلشن زہرا جو آب کے		شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے
ہالے تھے دو ملے ہوے گھوڑون کی گشت سے		خاک آسمان پہ جاتی تھی آڑ آڑ کے دشت سے
بد ہات مین شکست، ظفر نیک ہات مین		ہات اُڑ کے جا پڑا کئی ہات ایک ہات مین

آنکھ کی تعریف

تلوار کی تعریف

اس قسم کے اور سیکڑون اشعار ہین۔

(۲) اکثر جگہ لفظی رعایت کی پابندی کی وجہ سے کلام اوچھا اور بے اثر ہو جاتا ہے۔ مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کا تمہیدی فقرہ سُن کر تمام لشکر مین جب سنّاٹا چھا گیا ہے تو اس موقع پر لکھتے ہین ؎

یہ سُنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش ہو گیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش		تھم گیا طبل وغا کی بھی وہ آواز کا جوش کیا بجاتے کہ بجاتے نہ کسی شخص کے ہوش

چھیڑنا اُن کو سرودون کا بھی ناساز ہوا
رعب فرزند نبی سرمۂ آواز ہوا

پہلے تین مصرعون مین رعب اور ہیبت کا جو اثر پیدا ہوا، "بجانا"، "سرود"، "ناساز"، کی ضلع جگت نے اس کو بالکل زائل کردیا،

یا مثلاً اس دعا مین ؎

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری		بلبل کی زبان پہ ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری		پھل ہمکو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

نخل، برومند، باری، پھل، ریاضت کا التزام یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ دعا مانگنے والے کا دل خضوع خشوع سے زیادہ لفظی رعایتون مین لگا ہوا ہے،

یا مثلاً ان اشعار مین نہایت مبتذل طریقہ سے لفظی رعایت کو صرف کیا ہے،

ع بولے نہنگ، خوب نہین یہ اگر مگر،
ع سایہ کنوئین مین اترا تھا پانی کی چاہ سے،
ع اب ہاتھ دستیاب نہ تھے منہ چھپانے کو،
ع آری جو ہوگئی تھین وہ سب ذوالفقار سے،

ابن سعد مجروح کہتا ہے -

کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے		کہین کٹ کر کے تو چھینٹون ہاتھ نہین آیا ہے
شجر قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر		سر چڑھیگا ترا برچھی پہ یہ ہے اسکا ثمر

الفت زلف سے کبھی پیچ مین پڑ جائے گا
خال رخ دیکھا تو تو خال سے لگ جائے گا

بدر پیشانی سرور کا جو ہے سر مین خیال		تو اسی ماہ مین نقصان ترا ہوئے گا کمال
سب مین ہو جائیگا انگشت نما شکل ہلال		تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبت کا وبال

	عشق رخسار مین رتبہ ترا گھٹ جائے گا منہ پہ کہتا ہون کہ چہرہ ترا کٹ جائیگا	

پانون پہ وہ ہین کہ ان پانون کو جو بات لگائے		تو سر دست سرافرازی کونین کو پائے

اس قسم کی تکلف کی ہزارون مثالین ہین -

ان تکلفات کی وجہ سے اکثر جگہ بلاغت کا سررشتہ بالکل ہاتھ سے جاتا رہتا ہی

مثلاً صغریٰ کو جب حضرت امام حسین علیہ السلام سفر مین ساتھ نہیں لیجانا چاہتے ،

اور اُن کی بیماری کا عذر کرتے ہین تو وہ کہتی ہین کہ کیا گھر پر تنہا رہنے اور رونے پیٹنے

سے مین اچھی ہو جاؤنگی، اس موقعہ پر لکھتے ہین -

ع غم کھانے سے آجائیگی قوت مرے تن مین ؟

ان تمام اعتراضات کا صرف یہ جواب ہے کہ لفظی رعایت کی پابندی کے سوا

جو لکھنؤ کا خمیر بن گیا تھا ، باقی عیوب لازمۂ انسانی ہین اور کسی بشر کا کلام ان سے

پاک نہیں ہو سکتا ،

سرقات

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ میر انیس اور (مرزا دبیر) کے بہت سے اشعار

پر سرقہ کا گمان ہو سکتا ہے، کیونکہ وہی مضامین بعینہٖ یا بخفیف تغیر اساتذہ کے ہان

پائے جاتے ہین ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان سب پر سرقہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا ،

اساتذہ کا قاعدہ ہے جب وہ دیکھتے ہین کہ ایک مضمون کسی متقدم شاعر نے باندھا

لیکن اچھی طرح نہ بندھ سکا ، یا اس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اسی مضمون کو لے کر

اس طرح ادا کرتے ہین کہ جو کسر تھی نکل جاتی ہے، اور شعر بلند رتبہ ہو جاتا ہے فردوسی نے

خیمہ کی تعریف لکھی تھی ؎

یکی خیمہ در داشت افراسیاب ۔۔۔ ز مشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

نظامی نے دیکھا کہ مبالغہ اچھا ہے لیکن کوئی ثبوت نہیں انھون نے ایک تشبیہ پیدا کر کے ثبوت دیدیا ؎

یکی خیمہ داشت چون آفتاب ۔۔۔ ز مشرق بہ مغرب کشیدہ طناب

آفتاب کی تشبیہ نے مشرق سے مغرب تک طنابون کا کھنچا ہونا ثابت کردیا کیونکہ آفتاب خیمہ سے اور اسکی کرنین طناب سے مشابہ ہین۔

سعدی کا شعر تھا ؎

ترا ہر آئنہ باید بہ شہر دیگر رفت ۔۔۔ کہ دل نماند درین شہر تا ز بانی باز

شہر کے شہر کا دل چھین لینا معشوق کا کمال ہے، لیکن معشوق کو یہ صلاح دینی کہ وہ کسی اور شہر کو چلا جائے لغویات ہے۔ اس لئے امیر خسرو نے اسکا چارۂ کار یہ بتایا ؎

کسی نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی ۔۔۔ مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سلمان ساوجی کا شعر تھا ؎

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل ۔۔۔ شاہد آن ہست کہ این دارد و آن نیز دارد

خواجہ حافظ نے اسکو مطلع کر کے بلند کردیا ؎

شاہد آن نیست کہ موئی و میانی دارد ۔۔۔ بندۂ طلعت آن باش کہ آنی دارد

سلمان کے شعر مین این و آن کا جو لطف تھا وہ اچھی طرح ادا نہ ہو سکا تھا کیونکہ آن مین نون باعلان ہے، اس لئے آن (جو این کا مقابل ہے) کا ابہام نہین ہوتا۔ خواجہ حافظ نے اس نقص کو یون پورا کیا ؎

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن | | یار ما این دارد و آن نیز ہم

صاف نظر آتا ہے کہ ان لوگون نے دیکھا کہ ایک عمدہ بات پیدا ہوئی تھی لیکن ناقص رہ گئی، ایک چیز کو ناقص چھوڑ دینا اچھا نہ تھا اسکو پورا کر دیا، اگر اس کا نام سرقہ ہے اور یہ معیوب ہے تو دنیا مین ہر قسم کی صنعتین جو ایجاد ہوئین وہ اُسی پہلی حالت پر قائم رہنی چاہیئے تھین، جھکڑے کے بجائے فٹن اور بروم طیار کرنا بھی سرقہ قرار پاتا۔

میر انیس صاحب کے ہان جو سرقے پائے جاتے ہین اکثر اسی قسم کے ہین۔

مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب یزید کی فوج کے سامنے اتمام حجت کے طور پر جناب رسالت پناہ سے اپنا تعلق ثابت کیا ہے تو یہ بھی بیان کیا ہو کہ اسوقت میرے بدن پر جو اسلحہ اور ملبوسات ہین وہ آنحضرت کے ملبوسات ہین۔ اس مضمون کو میر ضمیر نے اس طرح ادا کیا تھا ؎

پہچانتے ہو کسکی مرے سر پہ ہے دستار کسکی زرہ، کسکی سپر، کسکی ہے تلوار		دیکھو تو عبا کسکی ہے کاندھے پہ نمودار مین جس پہ سوار آیا ہون کس کا ہو یہ رہوار

باندھا ہے کمر مین جسے یہ کس کی ردا ہے
کیا فاطمہؑ زہرا نے نہین اس کو سیا ہے؟

یہ واقعہ مرثیہ کا ایک ضروری جزو تھا، اس لئے میر انیس صاحب اس کو بالکل چھوڑ نہین سکتے تھے لیکن دیکھو، اسی بات کو کیونکر ادا کیا ؎

یہ قبا کسکی ہے بتلاؤ یہ کسکی دستار بر مین کس کا ہو یہ چار آئینۂ جوہر دار		یہ زرہ کسکی ہو پہنے ہون جو مین سینہ فگار کس کا رہوار ہو یہ آج مین جسپر ہون سوار

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کمان ہے یہ سپر کس کی ہے

شاعر	مصرع اول	مصرع دوم
میر ضمیر	جب کہ ذوالفقار نے کاٹے تہ تین پر	ہرگز نہ دم لیا پر روح الامین پر
میر انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر	کاٹے ہین کسکی تیغ دوپیکر نے تین پر
میر ضمیر	اس نیزۂ سیاہ سے تھا سب کو بیم جان	تھا اژدہاے موسی عمران کی وہ زبان
میر انیس	ع گویا زبان نکالے ہوے اژدہا چلا	
میر ضمیر	اک نیزہ ہوا پار وہ سو سو کے جگر سے	رشتہ کا گذر ہوتا ہے جون سلک گہر سے
میر انیس	ہوتا تھا پار آکے وہ ہنگام دار وگیر	سو دل سے مثل رشتۂ تسبیح ایک تیر
میر ضمیر	کونین مین پکار ہوئی الامان کی	انسان تو کیا جنون کو پڑی اپنی جان کی
میر انیس	ع ہولاتی تھین پریان کہ خدا جان بچائے	

لیکن بہت سے اشعار ایسے بھی ہین جن مین کسی قسم کی ترقی نہین ہے بلکہ کسی فارسی شعر کو بعینہ لے لیا ہے۔ اس قسم کے مضامین کو حسن ظن ہو تو توارد ورنہ سرقہ کہنا چاہیئے۔ چند مثالین نمونہ کے طور پر ذیل مین لکھی جاتی ہین ؎

شاعر	مصرع اول	مصرع دوم
میر انیس	پیچھے کبھی قافلہ سے رہتا نہ انیس	اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے
لاحد		کوتاہیے کہ بود نہ عمر دراز بود
میر انیس	عقدے سب حل ہوے مگر آہ انیس	یہ بند اجل کسی سے کھولا نہ گیا
بوعلی سینا	کردم ہمہ مشکلات عالم را حل	ہر بند کشودہ شد مگر بند اجل
میر انیس	نافہ کی طرح عمر خطا مین گذری	بالون پہ سفیدی ہے سیاہی دل مین
کاتبی	بودیم ہمچو نافہ ہمہ عمر در خطا	موی سفید بین و درون سیاہ ما
میر انیس	ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خارزار	ہر صف مین تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار
نظامی	سنان بر سنان رستہ چون نوک خار	سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار
میر انیس	خود پیام زندگی لائی قضا میرے لیئے	شمع کشتہ ہون فنا مین ہے بقا میرے لیئے

میر انیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

اُردو علم ادب کی جو تاریخ لکھی جائیگی، اُس کا سب سے عجیب تر واقعہ یہ ہوگا کہ مرزا دبیر کو ملک نے میر انیس کا مقابل بنایا اور اس کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ ان دونون حریفون مین ترجیح کا تاج کس کے سر پر رکھا جائے۔

شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کسی چیز کا، کسی واقعہ کا، کسی حالت کا، کسی کیفیت کا، اس طرح بیان کیا جائے کہ اسکی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جائے۔

دریا کی روانی، جنگل کی ویرانی، باغ کی شادابی، سبزہ کی لہک، پھولونکی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی سختی، گرمی کی طپش، جاڑون کی ٹھنڈ، صبح کی شگفتگی، شام کی دلاویزی، یا رنج و غم، غیظ و غضب، جوش و محبت، افسوس و حسرت، عیش و طرب، استعجاب و حیرت، ان چیزون کا اس طرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلون پر چھا جائے، اسی کا نام شاعری ہے۔

اس کے ساتھ الفاظ مین فصاحت، سلاست، روانی، بندش مین چستی اور چستی کے ساتھ بے تکلفی، دلاویزی اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات و استعارات، اصول بلاغت کے مراعات، ان تمام اوصاف مین سے کون سی چیز مرزا دبیر مین پائی جاتی ہے، فصاحت اُن کے کلام کو چھو بھی نہین گئی، بندش مین تعقید اور اغلاق، تشبیہات اور استعارات، اکثر دور از کار، بلاغت نام کو نہین، کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہین، خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہے لیکن اکثر جگہ اُسکو سنبھال نہین سکتے۔

ہماری یہ غرض نہین کہ ان کے کلام مین سرے سے یہ باتین پائی ہی نہین جاتین۔ وہ نہایت پرگو تھے، ان کے اشعار کا شمار ہزارون کیا لاکھون تک ہے۔ اخیر مین وہ میر انیس کی تقلید بھی کرنے لگے تھے، اس بنا پر ان کے کلام مین جابجا شاعری کے لوازم اور خاصے پائے جاتے ہین، لیکن گفتگو قلت اور کثرت مین ہے۔ میر انیس کے بہت سے اشعار مین فصاحت و بلاغت کا حصہ بہت کم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دونون مین سے نسبتاً کس کا کلام شاعری کے معیار پر پورا اُترتا ہے۔ میر انیس کا عیب و ہنر تم دیکھ چکے، اب مرزا صاحب کے متعلق ہم ایک ایک چیز بہ تفصیل لکھتے ہین۔

فصاحت۔ یہ امر بدیہی ہے کہ مرزا دبیر کے کلام مین وہ فصاحت اور شستگی نہین جو میر انیس کے کلام مین ہے، اور اس کے مختلف اسباب ہین۔

(۱) مرزا صاحب اکثر ثقیل اور غریب الفاظ استعمال کرتے ہین۔ مثلاً

ع مستدعی شق القمر آکر ہوئے گمراہ

ہر کوہ کی آواز انا الطور انا الطور
الشر کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر مین
لبیک و سعدیک تھا ورد ملک و حور
المنتہی یہ ربط یہ ضبط اس و غا مین تھے
خاص الخلاصۂ بنی آدم، کمال مین
یارو! سُنا مدائح نوشاہ کا بیان
رُخ بینۂ صدق کرامات پیمبر
مستجمع جمیع فضائل، ملک سیر
مستغرق روح اُسنے کیا تب غسل و شیر

ع لیکر رطب دلو وروم کہنے لگے شاہ

میدانی و نقیب و عصادار و چوبدار

عرشی فلکی بڑھ کے نقیبانہ پکارے

اس قسم کے سیکڑون الفاظ ہین، ہم نے صرف دو تین مرثیون سے سرسری انتخاب کیا ہے، ورنہ سیکڑون ہزارون تک نوبت پہونچتی، یہ الفاظ اگرچہ صحیح ہین عربی اور فارسی مین مستعمل ہین، لیکن اردو نظم کی سلاست اور روانی ان کی متحمل نہین ہو سکتی۔

(۳) بعض الفاظ بجاے خود ایسے ثقیل اور گران نہین لیکن مرزا صاحب جن ترکیبون کے ساتھ ان کو استعمال کرتے ہین، ان سے نہایت ثقل اور بھدا پن پیدا ہو جاتا ہے، یہ امر ان مثالون مین صاف واضح ہو جاتا ہے جہان ایک ہی لفظ یا الفاظ کو میر و میرزا دونون نے استعمال کیا ہے۔

ہل اتی، انما، قل کفی، یہ چارون لفظ حضرت علیؑ کے فضائل کی تلمیحات (الیوژن) ہین، ان تلمیحات کو ایک ایک بند مین دونون نے باندھا ہے، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

اہل عطا مین تاج سر ہل اتیٰ ہین یہ
اغیار از افتخار ثریا شمر لافتا ہین یہ
خورشید انورِ فلکِ انما ہین یہ
کافی ہے یہ شرف کہ شہ قل کفیٰ ہین یہ

ممتاز گو خلیل رسولان دین ہین
کاشف ہے لو کشف یہ زیادہ یقین ہین

میر انیس کہتے ہین ؎

حق نے کیا عطا جو عطا ہل اتیٰ کسے
حاصل ہوا ہے مرتبہ لافتا کسے
کونین مین ملا ہے شرف انما کسے
کہتی ہے خلق بادشہ قل کفا کسے

دنیا مین کون منتظم کائنات ہے
کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہے

مرزا صاحب کے کلام مین اس قسم کی ناموزونی نہایت کثرت سے ہے،
ہم صرف چند مثالون پر اکتفا کرتے ہین ؎

ع اک شخص کمرشتہ کی لگا باندھنے خورسند
اک دلو بھرو پانی سے اور ایک رطب لو
نوبت زن نہ بام عروج فلک پیر
ملبوس قلمکار نہ دولت ہے نہ پیرانا ہے ؎

شرع کہن ناطقہ منسوخ کرونگا		سرکو عوض پارہ مدحت مین دھرونگا

ع یہ صورت پیغمبر قوسین مکان ہے ؎

وہ برق شفق مین تو یہ پروانہ بہ فانوس تیغین کھینچین یکدست تلے گرز بھی کمیشت		ہے طلعت جلد و نفس سینہ یہ محسوس ناگاہ کھلا دشت مین بازار زد و کشت

ع نہ چشم جراحت نہ رہ فوت کو دیکھا
کہتے ہین جسے عاشق و شیدا ملک و ناس
خیاط عہد طفلی شاہ انام تھی
اسکی ثنا مشقت مالا یطاق ہے
ناناے تو قلم کیے جبرئیل کے سر پر ؎

دانتون کے تلے بال محاسن کے دبا کے		کفار بڑھے طیش سے ہونٹونکو دبا کے

آمد ہے امام سوم ہر دو سرا کی ؎

بس ہدیۂ اللہ کے قابل یہی پھل ہے		اس سر پہ دھرے ہات بہ تسمیہ اجل ہے

بندش کی سستی اور ناہمواری میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی جو چیز مابہ الامتیاز ہے، وہ الفاظ کی ترکیب نشست اور بندش کا فرق ہے، میر انیس کا کلام تم پڑھ چکے ہو، ان کا اصلی جوہر بندش کی چستی، ترکیب کی دلاویزی، الفاظ کا تناسب، اور برجستگی و سلاست ہے، یہ چیزین مرزا صاحب کے ہان بہت کم ہین، ایک ہی مصرعہ مین ایک لفظ نہایت بلند اور شاندار ہے، دوسرا مبتذل اور پست ہے، بند کا ایک شعر اِس زور شور کا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرجتا آرہا ہے، دوسرا بالکل پھیکا اور کم وزن ہے، دو تین بند صاف اور سلیس نکل جاتے ہین پھر تعقید اور بے ربطی شروع ہوتی ہے، اکثر جگہ الفاظ بڑے دھوم دھام کے ہین لیکن حاصل کچھ نہین، یہ باتین اگرچہ عام طور پر ان کے تمام مرثیون مین پائی جاتی ہین لیکن نمونہ کے طور پر ہم چند بند اُن مرثیون کے نقل کرتے ہین جو بڑے زور کے مرثیے خیال کیے جاتے ہین اور جن مین بعض میر انیس کے جواب مین لکھے گئے ہین ؎

اے دبدبۂ نظم دو عالم کو ہلا دے
اے معجزۂ فکر فصاحت کو جلا دے
اے طنطنۂ طبع جز و کل کو ملا دے
اے زمزمۂ نطق بلاغت کا صلہ دے
اے بائے بیان معنی تسخیر کو حل کر
اے سین سخن قاف سے تا قاف عمل کر

یہ مرثیہ میر انیس کے جواب مین ہے، کس زور شور کی اُٹھان ہے، کیسے پُر رعب الفاظ ہین لیکن معانی مین بہت کم ربط ہے، طنطنہ کو جز و کل کے ملا دینے سے کیا نسبت ہے؟ زمزمۂ نطق سے بلاغت کا صلہ مانگنے کے کیا معنی؟ بیان کی بے کو تسخیر سے کیا خاص تعلق ہے؟ اسی طرح سخن کے سین کو قاف سے قاف تک عمل کرنے کے لئے کیا خصوصیت ہے، ؎

بولا علم خامہ فلک پر میں گڑون گا
سکہ نے ندا دی زر انجم پہ پڑون گا
معنی نے کہا بیت میں آئینہ جڑون گا
مضمون پکارا مین کسی سے نہ لڑون گا

بندش یہ کھلی دم مین فصاحت کا بھرونگی
چلائی طبیعت کہ مین اصلاح کرونگی

پہلے دو مصرعے کسقدر دھوم دھام کے ہین تیسرے مین تنزل شروع ہوا چوتھا بالکل گر گیا، کیونکہ اوپر کے مصرعون کی مناسبت کے لحاظ سے موقع یہ تھا کہ اسمین بھی کوئی ایجابی دعوی کیا جاتا مضمون کا نہ لڑنا اگرچہ معنی تعریف کی بات ہے لیکن یہان لڑائی سے گریز کرنے کا موقع نہین اخیر کا شعر اور خصوصاً اسکا دوسرا مصرع کسقدر پھس پھسا اور مبتذل ہے طبیعت کے چلانے کا یہ کیا موقع ہے اور طبیعت کے لئے چلانا کتنا ناموزون لفظ ہے ؎

ہین کون ہون صاحب علم کلک جہانگیر
نوبت زن نہ بام عروج فلک پیر
تاج سر لفظ و سخن و معنے و تحریر
خاک قدم محتشم و مقبل شبیر

سن کر نہ کرے ہان تو شکایت بھی نہین ہے
انصاف تو کہتا ہے خداوند یون ہی ہے

پہلے تین مصرعون کا جو انداز ہے، چوتھا مصرع اس سے کس قدر بیگانہ ہے، ؎

مضمون مین نئی کرتا ہون ایجاد ہمیشہ
کہتا ہے سخن حضرت استاد ہمیشہ
کہنے مین ہے تاثیر خداداد ہمیشہ
بھولے سے بتا دون تو رہے یاد ہمیشہ

بے لطف خدا یہ ہمہ دانی نہین آتی
پر شمع صفت چرب زبانی نہین آتی

جو چیز خداداد ہے اُسکے لئے ہمیشہ کی قید حشو محض ہے، چوتھا مصرع تیسرے مصرع سے بالکل بے تعلق ہے، اُستادی کا ذکر دوسرے مصرع میں ہے، اور اُس کے ساتھ اس مصرع کو ربط ہو سکتا ہے ٹیپ کے دو مصرع بھی باہم بے تعلق ہیں -

تین چار بند کے بعد فرماتے ہیں ؎

مضمون تر و تازہ ہے جستی میں یگانا
اس دھیان سے کے آنے سے کرم شاہ کا جانا
ملبوس قلمکار، نہ دون سے نہ پرانا
خدام ولا بولے کہ ہان ہات بڑھانا

ہے ہدیہ تائید قدیر ازلی ہے
ہے خلعت تحسین حسینؑ ابن علیؑ ہے

پہلے اور دوسرے شعر کی ترکیب اور انداز میں باہم کسقدر تفاوت ہے، دوسرا شعر پہلے شعر سے بالکل الگ ہو گیا ہے، دوسرے شعر کی بندش ایسی ہے کہ مطلب بھی آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا، اس دھیان کا مشار الیہ کون ہے ؎

حامی جو سلیمان دو عالم نظر آئے
طاوس تصور کی طرح دل میں در آئے
مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے
شیشہ میں پری زاد معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشان سے در آتے ہیں عدن سے
لعل اُگلوں گا میں طائر سدرہ کے دہن سے

حضرت سلیمان کو عنقا سے کیا تعلق ہے، تصور کی تشبیہ طاوس سے کس بنا پر ہے، اور پھر اس کے کیا معنی کہ عنقا سے مضمون دل میں اس طرح اُتر آئے جس طرح طاوس تصور دل میں اُتر آتا ہے، طاوس دل میں نہیں اُترتا، اور اگر تصور کے طاوس ہونے کی بنا پر ہے تو مضمون کا عنقا خود دل میں اُتر سکتا ہے، طاوس کی مشابہت کی کیا ضرورت ہے، ٹیپ میں عجب بے ربطی ہے، شاعر لعل اُگلے گا لیکن طائر سدرہ کے دہن سے اُگلے گا،

اسکے کیا معنی؟ شاید اُگلنے کو اُگلوانے کے معنی میں لیا ہے، یا اپنے آپ کو طائر سدرہ قرار دیا ہے ۵

کب شعلۂ خس نور کی قندیل کو پہونچے
پشہ کا نہ غل صور سرافیل کو پہونچے

اُڑ کر نہ مگس طنطنۂ فیل کو پہونچے
بُلبُل نہ لب و لہجۂ جبریل کو پہونچے

ارباب سخن پر جو سخن در ہے ہمارا
القاب سخن سنج سخن در ہے ہمارا

کسقدر بھدّے الفاظ اور بھدّی ترکیبین ہین۔ انکے علاوہ بے ربطی کو دیکھو! شعلہ کا مقابلہ قندیل سے نہین بلکہ قندیل کی روشنی سے ہو سکتا ہے، پرواز کو طنطنہ سے کیا نسبت ہے؟ بلبل کو جبریل سے کیا مناسبت ہے، لقب کے بجاے القاب باندھا ہے ۵

سرکار ہے ہر مجلس سخن بیٹر ہماری
آئینۂ سکندر یہ ہے تسخیر ہماری

مضمون کی طرح بیت ہے جاگیر ہماری
ہے مہر سلیمان کی تحریر ہماری

تنہا مہ و ماہی پہ نہین سکّہ پڑا ہے
سورج کا نگینہ بھی انگوٹھی پہ جڑا ہے

بیت کا درجہ مضمون سے کم ہے کیونکہ بیت کی جو خوبی ہے مضمون ہی کی وجہ سے ہے اس بنا پر یہ تشبیہ کہ مضمون کی طرح بیت ہماری جاگیر ہے، بے معنی ہے جب مضمون جاگیر ہو چکا تو بیت خود ہی جاگیر ہو گئی، ٹیپ کا اخیر مصرع بالکل بے معنی ہے، پہلے انگوٹھی سے کسی چیز کا استعارہ کرنا تھا پھر سورج کا نگینہ جڑنا تھا، ورنہ ظاہر ہے کہ ہاتھ مین پہننے کی انگوٹھی پر سورج کا نگینہ جڑنا کس قدر لغویات ہے، ۵

قابل ہین سخن کے جو ہمارے ہین مرے قابل
لیکن سخن شہرہ فگن ہے مرے قابل

رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل | موتی کو صدف اور یہ عدن ہے مرے قابل

شہرہ ہے یہ تائید سخن جن و ملک سے
مضمون مرا گھر پوچھتے آتے ہین فلک سے

سخنِ شہرہ فگن نئی ترکیب ہے، ع رضوان کو جنت یہ چمن ہے مرے قابل، ناموزون ترکیب ہے، یا تو یون ہونا چاہیے تھا کہ رضوان کو جنت چاہیئے، اور مجھکو یہ چمن، یا یون کہنا تھا کہ رضوان کے قابل جنت ہے اور میرے قابل یہ چمن، چوتھے مصرع کی ترکیب کا بھی یہی حال ہے، ٹیپ کے دونون مصرع قریبًا باہم متناقض ہین، شہرہ بھی انتہا کا ہے اور مضمون کو گھر پوچھنے کی بھی ضرورت ہے، شاید یہ مراد ہو کہ صرف نام مشہور ہو چکا ہے لیکن چونکہ مضامین کو کبھی مرزا صاحب سے روشناسی نہین ہوئی اور آستانۂ مبارک تک پہونچنے کی نوبت نہین آئی، اس لئے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا ۔

ہین وقف ہمیشہ مرے الفاظ و معانی
ہر بحر مین ہے بحر طبیعت کی روانی

ہان قلزم شیرین کا بھی پیتے ہین پانی
ہے زور سخن شور یہ موجون کی زبانی

قطرہ سے مگر بخت مین ہین صرف نہین ہون
دریا ہون سخن کا مین تنک ظرف نہین ہون

تیسرے مصرع کا مطلب مشکل سے سمجھ مین آسکتا ہے، مقصد یہ ہے کہ زور سخن شور پر ہے، لیکن اس بات کو مین نہین کہتا بلکہ موج کی زبان کہتی ہے بخت مین صرف ہونا کون سا محاورہ ہے، ٹیپ کے دوسرے مصرع مین "مین" کا لفظ محض فضول ہے، پہلے مصرع مین "مین" کا لفظ آچکا ہے ۔

خامہ ہے فروتن مرا افراط ادب سے
نخوت کے معانی ہین الگ لفظون کے لب سے

جھک کر شرفا اور نجبا ملتے ہین سب سے
جس طرح سے بدعمل جدا نیک نسب سے

دشمن سے بھی ہم قطع نہین کرتے حیا کو

مانند غبار اُٹھتے ہین تعظیم ہوا کو

پہلے مصرع مین خاکساری اور انکساری کے بجائے ادب کہا ہے، حالانکہ دونون مین بہت فرق ہے، تیسرے مصرع کی ترکیب اور لفظ کے لب کا استعارہ سابق و لاحق کی سادگی و صفائی سے نہایت بیگانہ ہے، ؎

شیرین سخنی کا ہنر اکبرؑ سے لیا ہے ۔ اس ذرہ مین سب مہر حسینیؑ کی ضیا ہے

بھہری افلاک سے گو خاک بسر ہون

ہان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہون

گو خاک بسر ہون کا جواب، ہان عیب بڑا یہ ہے کسقدر بے جوڑ ہے، "مین" کا لفظ بالکل حشو ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور نہایت مشہور مرثیہ ہے ؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ۔ رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے ۔ خود عرش خدا وند زمن کانپ رہا ہے

شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو

جبریلؑ لرزتے ہین سمیٹے ہوے پر کو

ہیبت سے ہین نہ قلعۂ افلاک کے در بند ۔ جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند

وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند ۔ سیارے ہین غلطان صفت طائر پر بند

انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے

خورشید کے پنجہ سے علم چھوٹ پڑا ہے

یہ دونون بند اپنے انداز مین پورے ہین، اب تیسرا بند ملاحظہ ہو ؎

خود فتنۂ و شر پڑھ رہے ہین فاتحۂ خیر
جان غیر، بدن غیر، مکین غیر، مکان غیر،
کہتے ہین انا العبد لرز کر صنم و دیر
نے چرخ کا ہے چرخ نہ سیارہ کی ہے سیر
سکتہ مین فلک خوف سے مانند زمین ہے
جُز بخت یزید اب کوئی گردش مین نہین ہے

انا العبد کسقدر سلاست کے خلاف ہے، یہ مصرع ع جان غیر، بدن غیر، مکین غیر، مکان غیر، اس بند مین کسقدر بیگانہ واقع ہوا ہے ؎

بیہوش ہے بجلی یہ سمند ان کا ہے ہشیار
پوشیدہ ہے خورشید علم ان کا نمودار
خوابیدہ ہین سب طالع عباسؑ ہے بیدار
بے نور ہے مُنہ چاند کا۔ رخ ان کا ضیا بار
سب جزو ہین۔ کل رتبہ مین کہلاتے ہین عباسؑ
کونین پیادہ ہے سوار آتے ہین عباسؑ

یہ بند اوپر کے بند سے دفعتہً اس قدر بے تعلق ہو گیا ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے، ''اُن'' کا مشارٌالیہ حضرت عباسؑ ہین، لیکن چونکہ حضرت عباسؑ کا ذکر صرف پہلے بندون مین آیا تھا جس سے تین بندون کا فاصلہ ہے، اس لیئے ذہن اس طرف جلدی منتقل نہین ہوتا، مضمون کی بے ربطی کی یہ کیفیت ہے کہ ایک طرف تو ہل چل کی وجہ سے بجلی کو بیہوش قرار دیا ہے دوسری طرف فرماتے ہین کہ سب خوابیدہ ہین، ٹیپ کی بندش کی سستی خود ظاہر ہے ؎

چمکا کے مرد خور زرد نقرہ کے عصا کو
عدل آگے بڑھا۔ حکم یہ دیتا ہے قضا کو
سرکاتے ہین سپر فلک پشت دوتا کو
ہان باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سر کاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

ان استعارات مین جو لطافت ہے وہ ظاہر ہے،

ہم مناسب سمجھتے ہین کہ ایک مشہور اور معرکہ کے مرثیہ کے متعدد بند اس موقع پر نقل کردین جس سے مرزا صاحب کی طرز بندش کے تمام محاسن و معائب کا پورا اندازہ ہوسکے۔ یہ مرثیہ وہ ہے جس کو مرزا صاحب کے نامور معتقدین اکثر مجالس مین بڑے فخر کے ساتھ پڑھتے ہین ؎

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی — پانی ہے کس پھریرے سے ہمت سحاب کی
یہ شان ہے نشان رسالت مآبؐ کی — چوب علم کلید ہے جنت کے باب کی
نقش علم کے پنجہ مین اللہ کا ملا
بندون کو اس نشان سے نشانِ خدا ملا

صبح جہادِ شاہ ثریا جناب ہے — فوج حسینؑ بن کے ظفر ہمرکاب ہے
مشرق سے وان علم، علمِ آفتاب ہے — یان نور کا نشان علمِ بوترابؑ ہے
روشن علم سے آنسُر مشرقین ہے
مشرق مین شمس عکسِ نشانِ حسینؑ ہے

طوبیٰ کی شاخ تیشۂ قدرت نے کی قلم — اور نور نخل طور بھرا اسمین یک قلم
کی صادقون کی راستی قول اس مین ضم — بے پردہ ہوکے عفو بنی پوشش علم
جب باندھ کر پھریرے کو سیدھا علم کیا
صانع نے پردہ مین ید طولےٰ علم کیا

دامن ہے کبریا کا سراپردۂ جلال — ماہی مراتب اس سے ہیں شاہونکا پائمال
پھیلا ہوا ہے شیر پھریرے کا بے جدال — شیرِ فلک کو دیکھ کے ہوتا ہے لال لال

تسخیر غرب و شرق اسے کیا محال ہے
پنجہ ہے آفتاب تو ناخن ہلال ہے

نور خدا سے قالب خیر الامم بنا
سایہ نبی کا ہو کے مجسم علم بنا
وان ابر چتر فرق نبیؐ بر قدم بنا
یان پوشش علم وہ سحاب کرم بنا

سب کام بند ہون جو پھریرا نہ وا رہے
سچ ہے خدا کے فیض کا چشمہ کھلا رہے

اب رایت زبان سے مضمون علم کرون
اور معنی بلند کا لشکر بہم کرون
مجلس مین ذکر شوکت و حال علم کرون
رایت مین سلک نظم کے پرچم کو ضم کرون

مشتاقون کو زیارت رایت ضرور ہے
اس رایت نبیؐ کی درایت ضرور ہے

جب شاہ انبیا کو ہوئی خواہش علم
آئی ندا فلک سے ابھی بھیجتے ہین ہم
جاری ہوا یہ حکم خداوند محترم
ہان قدسیو! علم کی درستی کرو بہم

تیار میرے دوست کی خاطر نشان کرو
یعنی علم کی فکر سے خاطر نشان کرو

تعقید — مرزا صاحب کے کلام کی ایک خصوصیت تعقید بھی ہے، وہ جہان معنی آفرینی اور دقت پسندی پر زیادہ توجہ کرتے ہین کلام مین پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے، وہ نہایت دقیق اور بلند مضامین پیدا کرتے ہین لیکن مناسب الفاظ ہات نہین آتے اس لیے مضمون ایک گورکھ دھندا ہو کر رہ جاتا ہے۔

تلوار کی تعریف

سیہ نگر چشم شام اوج پر آیا
اور صاف ہر اک فرد بشر کو نظر آیا

خط کھینچنے کو کلک دوات ظفر آیا — یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے خضر آیا

وان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے
یان غل تھا جدا شمع سے یہ شمع کی لو ہے

آمد کی دھوم۔

خود ابر فلک گرد سواری مین گھرے ہین — دریا مین عدو ڈوب کے دوزخ مین ترے ہین
یون کانپ کے سرداروں کے منہ رنج سے پھرے ہین — بت حرص کے طاق دل اعدا سے گرے ہین

رعشہ ہے فقط ہات نہین پانون نہین ہے
دہشت کے سبب دھوپ نہین چھانون نہین ہے

سراپا۔

معراج پیمبر کی تو روشن ہے حقیقت — یان دیکھو تہ عرش جبین چشم کی زینت
اترا ہے نبیؐ کے لیئے یہ کاسۂ نعمت — ہم صحبت وہم کاسہ ہین معبود سے حضرت

اس کاسہ مین رتبہ ہے یہ پلکون کی ثنا کا
اک ہات نبیؐ کا ہے اور اک ہات خدا کا

اب مومنون کو عالم بالا کی خبر دون — حل عقدہ مدح سر اقدس کو بھی کر دون
گردون کو مین نسبت سر پر نور سے گردون — یہ عرش ہوا اور عرش بنے رشک سے گردون

اک قامت احمدؐ ہے اسی فوق جہان پہ
خورشید سے اک نیزہ سوا ہوگا سنان پہ

گو غنچہ ہے گوش لب سید خوش خو — قرب خم زلف سے پرنافے کی ہے بو
اور حلقۂ گیسو کہ ہے اک نافۂ آہو — ہے کان کی نکہت سے رگ غنچہ ہر اک مو

نافہ کا شرف غنچہ کو کاکل نے دیا ہے
اور گوش سے نافہ کو یہاں غنچہ کیا ہے

خط حسن کی خاطر ہے خزان کا خط فرمان
صرصر سے ہے ایمن یہ چراغِ رُخِ تابان

یان حلقہ خط حسن کو ہے چشم نگہبان
عارض کو کیا خط نے چراغ تہ دامان

گلشن ہے غلط اور غلط ابر بہاری
رُخ باغ بہاری ہے یہ خط ابر بہاری

ایک اور مرثیہ مین فرماتے ہین ؎

نام جبین ہے مشرق خورشید ہر امید
ہے صبح صادق اسکی گواہی سے روسپید

یان پھول سر و کو ملین پھل ہو نصیب بید
مہر قبول کے اثر سجدہ سے نوید

اکبر نشان سجدہ جبین پر دکھاتے ہین
یا سر نوشت نیر اکبر دکھاتے ہین

کیا شاہ بیت ابروے اکبرؑ کی ہو ثنا
بیت القصیدہ خم ابروے مصطفیٰؐ

یکتا مطالعہ مین ہے یہ مطلع رسا
کیا بیت بحث ان سے کرے ماہِ نو بھلا

پیش نگہ یہ بیت ہو اٹھارہ سال سے
آتی ہے بوے شیر دہان ہلال سے

تشبیہات و استعارات

مرزا صاحب کے کلام کا خاص جوہر تشبیہات اور استعارات ہین۔ اس مین شبہہ نہین کہ وہ اپنی دقت آفرینی سے ایسے عجیب اور نادر تشبیہات اور استعارات پیدا کرتے ہین جنکی طرف کبھی کسی کا خیال منتقل نہین ہوا ہوگا۔ لیکن اس زور مین وہ اکثر

اس قدر بلند اُڑتے ہین کہ بالکل غائب ہوجاتے ہین مثلاً ؎

شمشیر نے جل تھل جو بھرے قاف سے تا قاف
پریان ہوئین مرغابیان، گرداب بنا قاف

چھپنے کے لیئے خوف سے اس درجہ گھٹا قاف
جو بیچ مین سیمرغ کی منقار کے تھا قاف

کیا جانے کدھر لے گے خزانہ وہ بہا تھا
قارون کو عذابِ ابدی ڈھونڈ رہا تھا

تیغ عباسؑ جو وا مان زرہ مین تھی نہان
یا شبستان مین وہ خوابیدہ تھا مارو زبان

چمکا وہ ہلال ابروے یوسف کا کنوین سے
یا برق جدا ہوگئی بادل کے دھوئین سے

مدِ نگہ چشم سیاہ اوج پر آیا
اور صاف ہراک فردِ بشر کو نظر آیا

خط کھینچنے کو کاک دواتِ ظفر آیا
یا دوڑ کے ظلمت کی گلی سے ظفر آیا

گرمی پہ شررِ تیغ شرر دم کے جو آئے
جوہر نے کنوین قعرِ جہنم کے جھکائے

نخلِ مرغ نگہ پر دون مین پر اس نے جلائے
عنقائے تصور کے کباب اس نے لگائے

ظلمات مین یہ فتح پہ قبضہ کیئے پھری
یونس کو جیسے بطن مین مچھلی لیئے پھری

چہرہ سے بینی صفِ لشکر بھی دور کی
بت خانہ سے شباہت ممبر بھی دور کی

کاف شگاف بن کے درون جگر گئی
مانند میم مرگ میان کمر گئی

لفظ شکم مین دینے کو زیر و زبر گئی
مانند پیش ہر جز و کُل سے گذر گئی

رن کی صفون کا خوف سے ستھراؤ ہوگیا
پانی ہوے یہ زہرے کہ چھڑکاؤ ہوگیا

بینی جبین ولب سے حسینؑ و خلیلؑ ہے
سر پہ ہے عرش زیر قدم سلسبیل ہے

نہ نفین چھٹین شرر کی، سقر کانپنے لگے
شعلے زبان نکال کے خود ہانپنے لگے

نہیب تیغ سے خالی سبھون کے قالب تھے
پیالہ ہاے فلک رو نون سے لبالب تھے

گیا جو فوق سے تحت الثرے کو آبِ حسام
بنا خزانۂ قارون خرابۂ حمام

فلک نے تختۂ یونان رکھا زمین کا نام
ہوا رطوبتِ اطراف سے زمین کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد و فور گرا
کیا جو عطسہ تو قارون نکل کے دور گرا

جوہر مین طرفہ ہیبت تیغ دلیر ہے
مچھلی کے جال مین یہ مگر کوئی شیر ہے

بادل کی طرح جوہر شمشیر جو چھائے
سائے نے تڑپ کر دُہل رعد بجائے

چار آئینہ نے اور ہی صورت دکھائی ہے
پر آئینہ نہین ہے سند ہم نے پائی ہے

زائل زرہ کی آنکھون سے جو روشنائی ہے
آنکھون نے چار چشمے کی عینک لگائی ہے

ڈر ڈر کے آب تیغ سے سب کوچ کر گئے
غصہ سے ہو کے چین بجبین کچھ ٹھہر گئے

پل بن گئے وہ چین جبین سر اُتر گئے
آک وار مین فرات کے پار اُن کے سر گئے

پر ذوالجناح صاف دھوپن سے نکل گیا
باروت تھا کہ اُڑ کے کنوین سے نکل گیا

تھا طوطی خط پشت لب لعل پر گویا
دیکھو کہ دھوان آتش یاقوت سے نکلا

تھا چاہ ذقن مین چہ نخشب کا تجلا
اس چاہ کی کشتی نے تو پانی بھی نہ مانگا

جلوے لب و دندان کے عجب پیش نظر تھے
دروازے پہ یاقوت تھے اور گھر مین گہر تھے

حاشا نہین تجلی ماہ آسمان پر
مچھلی اُچھالتی ہے کلاہ آسمان پہ

چشم ضیا فشان سے نمود چراغ ہے
پلکین نہ سمجھو ہالۂ دودِ چراغ ہے

پیدا کمر سے کنز جناب الٰہ ہے
یہ بال چشم ناف کا تار نگاہ ہے

پتلی ہے کوہ طور تجلی کبریا
سُنتے تھے تل کی اوٹ پہاڑ اب نظر پڑا

جب تاب تک پلکین دست نگہ مین نہ دین عصا
موسیٰؑ کی بھی نگہ نہ ہوا اس چشم تک رسا

اک جلوہ دے یہ چشم جسے اپنے نور کا
وہ خاک کے بھی مول نہ لے سرمہ طور کا

سجنے لگا سلاح وغا پھر وہ پر دغا
یا ماہ آفتاب کو گویا گہن لگا
کی خود نے خودنمائی سے زیب سر جفا
یا وار قد پہ کفر کا بخت سپر چڑھا

اسلام مین جو ڈالے ہین رخنے یزید نے
ان رخنون کو کیا زرہ تن پلید نے

پانوٴن مین پہنے موزۂ گمراہی جہان
اور تیغ ہند ہند جگر خوارہ کی زبان
کج فہمی معاویہ کی اُس نے لی کمان
فرد سپر تھی نامۂ اعمال شامیان

چار آئنہ وہ زنگ بھرا اس پلید کا
دل شمر و شیث و ابن زیاد و یزید کا

مضمون بندی وخیال آفرینی

میر انیس اور مرزا دبیر مین اصلی مابہ الامتیاز جو چیز ہے وہ خیال بندی اور دقت پسندی ہے، اور یہی چیز مرزا صاحب کے تاج کمال کا طرہ ہے، اس مین کچھ شبہ نہین کہ مرزا صاحب کی قوت متخیلہ نہایت زبردست ہے۔ وہ اس قدر دور کے استعارات اور تشبیہات ڈھونڈھ کر پیدا کرتے ہین کہ وہان تک اُن کے حریفون کا طائر وہم پرواز نہین کر سکتا۔ راست نما اور دلفریب (لیکن غلط) استدلال جو شاعری کا ایک جزو اعظم ہے، انکے ہان نہایت کثرت سے پایا جاتا ہے۔ وہ قوت متخیلہ کے زور سے نئے نئے اور عجیب دعوے کرتے ہین، اور خیالی استدلال سے ثابت کرتے ہین۔ مبالغہ کے مضامین جو پہلے شعرا باندھ چکے تھے اور یہ ظاہر نظر آتا تھا کہ اب اس کی حد ہو چکی، ان کو وہ اس قدر ترقی دیتے ہین کہ پہلے مبالغے ان کے مقابلہ مین ہیچ ہو جاتے ہین۔

مختصر یہ کہ خیال آفرینی، دقت پسندی، جدت استعارات، اختراعِ تشبیہات شاعرانہ استدلال، شدت مبالغہ مین ان کا جواب نہین لیکن اس زور کو وہ سنبھال نہین سکتے، اس وجہ سے کہین خامی پیدا ہو جاتی ہے، کہین تعقید اور اغلاق ہو جاتا ہے تشبیہات کہین پھبتیان بن جاتی ہین اور کہین محض فرضی خیال رہ جاتی ہین۔ تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ جہان ان کا کلام فصاحت و بلاغت کے معیار پر بھی پورا اُتر جاتا ہے، نہایت بلند رتبہ ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ہم ان کی ہر قسم کی عمدہ مضمون آفرینی کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین ؎

جب[ل١] سرنگون ہوا علمِ کہکشانِ شب — خورشید کے نشان نے مٹایا نشانِ شب
تیرِ شہاب سے ہوئی خالی کمانِ شب — تانی نہ پھر شعاع قمر نے سنانِ شب

آئی جو صبح زیورِ جنگی سنوار کے
شب نے زرہ ستارون کی رکھ دی اُتار کے

شمشیرِ مشرقی جو چڑھی چرخ پر شتاب — پھر تیغِ مغربی نے دکھائی نہ آب و تاب
تھا بسکہ گرم خنجرِ بیضائے آفتاب — باقی رہا نہ چشمۂ نیلوفری مین آب

محتاج ماہتاب ہوا آب و تاب کا
باغِ جہان مین پھول کھلا آفتاب کا

تھی جوشِ خون کے عارضہ مین مبتلا شفق — فصادِ صبح آیا لیے نشتر و طبق
کھولی شفق کی صبح تو رنگِ اُفق تھا فق — گلرنگ تھا صحیفۂ گردون ورق ورق

خونِ شفق مین سرخ قضا نے قلم کیا
اور خط و خال روزِ شہادت رقم کیا

ل١۔ اس کے مقابلہ مین میر انیس کی صبح دیکھو۔

ایضاً

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی
اور قطع زلف لیلیٰ زہرہ لقب ہوئی
پنہان درازی پر طاؤس شب ہوئی
مجنون صفت قبائے سحر چاک شب ہوئی
فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لئے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لئے

یوسف غریق چاہ سیہ ناگہان ہوا
یونس دہان ماہی شب سے عیان ہوا
یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
یعنی طلوع نیر مشرق ستان ہوا
فرعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور ید بیضا تھا آفتاب

تھی صبح یا کہ چرخ کا جیب دریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکیدہ تھا
یا چہرۂ مسیح کا رنگ پریدہ تھا
یا فاطمہؑ کا نالۂ گردون رسیدہ تھا
کہئے نہ مہر صبح کے سینہ پہ داغ تھا
امید اہل بیت کا گھر بے چراغ تھا

نکلا افق سے عابد روشن ضمیر صبح
کھولا سپیدی نے جو مصلائے پیر صبح
محراب آسمان ہوئی جلوہ پذیر صبح
ہر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح
کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو

ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئنہ سے دور ہو گیا
پھر مشک شب جہان سے کافور ہو گیا
باطل رسالۂ شب دیجور ہو گیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامہ مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامہ مین

ایضاً

گلگونۂ شفق جو ملا حور صبح نے / اسپند مشک شب کو کیا نور صبح نے
گرمی دکھائی روشنی طور صبح نے / ٹھنڈے چراغ کردیے کافور صبح نے
لیلائے شب کی رات کو دولت جو لٹ گئی
افشان جبین سے مہر درخشان کی چھٹ گئی

پیدا ہوا سپیدۂ طلعت نشان صبح / سلطان صبح نے کیا قصد اذان صبح
باندھا عمامہ نور کا پہنا کتان صبح / چرخ چہارمین پہ گیا خطبہ خوان صبح
منہ سب کے سوئے قبلۂ امید ہو گئے
سرگرم سجدہ۔ عیسی و خورشید ہو گئے

آیا جو تیغ روز لیے شاہ نیم روز / ماہی شکار شیر سوار و جہان فروز
باندھے کمر مین خنجر بھنیاے کینہ سوز / پھر دیو ہفت سر ہوا صید عقاب روز
مہتاب لشکر شہ خاور مین گھر گیا
اژدہ شعاع کا سر انجم پہ پھر گیا

بڑھ کر نقیب نور پکارا آخر سحر / ذرون مین نور مہر در آیا قمر قمر
فرمان نور بدر کو پہونچا بدر بدر / لوٹا سحر نے معدن شبنم گہر گہر
برقع جو اٹھ گیا تھا رخ آفتاب کا
پردہ تھا فاش صبح ملمع نقاب کا

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا / پیرون کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی جدا زمین پہ تڑپی اجل جدا / خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحۂ جسم و جان نہین
لو تیغ برق دم کا قدم درمیان نہین

ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے — پا گھر کے بیچ میں یہ گری سیدھی چال سے
اٹھ کر زرہ میں آئی شکوہ و جلال سے — اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے

گذری جو چار آئینہ سے مُنہ کو موڑ کے
غل تھا پری نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

کاٹا پلک میں آنکھ کو، پتلی میں نور کو — پانوٗن میں کجروی کو سروں میں غرور کو
سینہ میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو — نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو

ذات اک طرف، مٹا دیا بالکل صفات کو
کیسی زبان نہ بان میں یہ کاٹ آئی بات کو

سب گے گلوں سے ملتی تھی لیکن رکی ہوئی — جوہر یہ تھا کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

ظرف تنک میں تھی نہ جگہ اس کی آب کی — **ولہ** — بند صتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی

دریائے خون تھا تیغ سبک رو کی ناؤ پر — پر یوں رواں تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

اللہ ری سنان و شمشیر آب دار — **ولہ** — دکھلا دیے صفائی کے سب ہات ایک بار
تیرا وہ جو سے زخم میں گہ وار گاہ پار — جوہر کا ایک بال بھی ڈوبا نہ زینہار

اک وجد حُر کو بھی یہ صفا دیکھ کر ہوا
ہات اک طرف نہ تیغ کا ناخن بھی تر ہوا

جس مورچہ میں لیلی تیغ دوسر گئی — چنگے بھلوں کو سایہ سے دیوانہ کر گئی
ہر صف نے خاک اُڑائی اِدھر سے اُدھر گئی — پھر یہ نہا نہا کے لہو میں نکھر گئی

عالم نہ پوچھو قطرہ فشانی کے حُسن کا
جوبن ٹپک رہا تھا جوانی کے حُسن کا

آگے کبھی بڑھی، کبھی پیچھے کو پھر پڑی — سر پر جو لڑکھڑائی تو شانے پہ گر پڑی

اٹھی۔ گری۔ بلند ہوئی۔ پست ہوگئی
ولہ
پی پی کے میکشون کا لہو مست ہوگئی

تیر سے تنے تو اُسنے کہا دیکھے بھالے ہین
ٹھہرے جو تیر سمجھی کمانون کے نالے ہین
ولہ
بجتی نہ خنجرون سے کہ گودی کے پالے ہین
چمکے جو گرز بولی یہ منہ کے نوالے ہین

ننگ اپنا جان کر نہ کسی سے بگڑتی تھی
ہرپھر کے آپ اپنی طبیعت سے لڑتی تھی

بے جرم معرکہ مین وہ خارا شگاف تھی
لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی

قبضہ تو رہا دست جناب شہ دین مین
ولہ
پھل جا کے لگا شاخ سر گاوزمین مین

اس قہر مجسم پہ اجل نے جو نظر کی
غصہ سے چڑھی بھون جو اُدھر تیغ دوسر کی
ولہ
مجرا تو فقط کر لیا اور پیچھے کو سرکی
پھرنے لگی پتلی سپر فوج عمر کی

باقی تھا نہ دم، خوف سے تیغین یہ گھٹی تھین
تیغین نہ کہو، نبضین نیامون کی چھٹی تھین

خود رفتہ تھا ہر تیر یہ رفتار نئی تھی
ولہ
انگڑائی کا لینا بھی کمان بھول گئی تھی

تھی راست گو وہ تیغ یہ روشن جہان تھا
ولہ
جتنا لہو پیا تھا وہ جاری زبان پہ تھا

کٹتے تھے سر نہ تیغ امام عراق سے
ولہ
بت گر رہے تھے خاک پہ کعبہ کے طاق سے

سر کو نہ وصل تیغ سے اصلا دریغ تھا
ولہ
کیا سب کی سرنوشت مین مصراع تیغ تھا

رک رک کے قدم رکھتی تھی ہر سر پہ ادب سے
ولہ
جھک جھک کے مثال شرفا ملتی تھی سب سے

جوہر کے نگہبانون کو بیدار جو پایا
ولہ
زخمون نے بھی اس تیغ کا پانی نہ چرایا

ہوتی تھین صفین آب بدم تیغ سے بیدم
حل کرتی تھی ہر مسئلہ تیغ شہ عالم
ولہ
پانی جو کھڑے ہو کے پیو ہوتا ہے سن کم
ہے خون نجس اسمین یہ آلودہ تھی ہر دم

پر اس پہ نجاست کا گمان ہو نہین سکتا
یعنی کہ نجس آبِ روان ہو نہین سکتا

اللہ رے دماغ اس کا کسی سر پہ نہ بیٹھی
سر ایک طرف گنبد مغفر پہ نہ بیٹھی
بالا سے سپر پھولون کے بستر پہ نہ بیٹھی

یہ بیٹھنا کب تھا اِدھر آئی اُدھر آئی
جس سر پہ رکھا پانُون زمین پر اُتر آئی

اسی طرح گھوڑے کی سرعت، فوج کی ہل چل، آمد کی دھوم، وغیرہ وغیرہ مضامین مین سیکڑون ہزارون نئی تشبیہین، استعارات اور باریکیان پیدا کی ہین، ہمنے اس خیال سے صرف نمونہ پر اکتفا کیا کہ جو شخص ایک تلوار کے متعلق اسقدر بیشمار مضامین کا مینہ برسا سکتا ہے اسکی قوت متخیلہ کی کیا حد ہو سکتی ہے۔

بلاغت

یہ وہ چیز ہے جہان انیس و دبیر کی شاعری کی سرحدین بالکل الگ ہوجاتی ہین، مرزا صاحب کی شاعری مین بالفرض گو اور تمام اوصاف پائے جاتے ہون، لیکن بلاغت کا تو شائبہ نہین پایا جاتا۔

تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ ہر چیز کی بلاغت الگ ہے مضمون کی الگ قصہ کی الگ قصیدہ کی الگ، شعر کی الگ لیکن مرزا صاحب کے کسی قسم کے کلام مین یہ وصف پایا نہین جاتا۔ وہ اگر کسی واقعہ کا خاکہ تیار کرتے ہین تو اس قسم کی باتین بیان کرتے ہین جو خود شہادت دیتی ہین کہ واقعہ وجود مین نہین آسکتا تھا۔ نوحہ و غم، فخر و ادعا، طنز و تشنیع، ہجو و بدگوئی، سوال و جواب، گلہ و شکایت، غرض کسی مضمون کو وہ مقتضائے حال کے

موافق نہین لکھ سکتے ۔

ہم چند مثالین نمونہ کے طور پر لکھتے ہین ۔

مثال ۱۔ ایک مرثیہ مین حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر حضرت شہربانو کا جو نوحہ لکھا ہے اسمین لکھتے ہین ؎

تم جانو جہان سے شہ عالی کو سلے آؤ ۔ اکبر سے مین گذری مرے والی کو سلے آؤ

اور تم جانو جہان سے " اس محاورہ کے ابتذال سے قطع نظر کرکے یہ امر کسقدر خلاف مقتضائے حال کے ہے کہ کوئی شریف عورت یہ کہے کہ مین اپنے بیٹے سے درگذری میرے شوہر کو جہان سے ممکن ہو پیدا کردو ۔

مثال ۲ ۔

ناگہان بالی سکینہ نے مچل کر یہ کہا
خوب ملبوس یہ ہے پہنین گے ہم بھی ایسا
میرے کرتے کا گریبان بھی کرو چاک چچا
روٹھ جاؤنگی نہ مانوگے جو میرا کہنا

آپ جب خیمہ مین آئین گے تو چھپ جاؤنگی
پھر مجھے گود مین لوگے تو نہ مین آؤن گی ؞

روئے نادان کی تقریر یہ عباسؑ کمال
بے پدر ہوگی کوئی آن مین یہ نیک خصال
اور کہا دل سے کہ اسکا بھی کرو نہ سوال
چاک اُس کا بھی گریبان کیا باحزن وملال

پیار جو آگیا بنت شہ دین کے اوپر
بوسے دے دے کے ملی خاک جبین کے اوپر

واقعہ یہ باندھا ہے کہ حضرت عباسؑ جب میدان مین جانے لگے تو اپنے بیٹے کا گریبان چاک کردیا کہ یتیمی کی علامت ہے ۔ یہ دیکھ کر سکینہؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی نے کہا کہ میرے کرتہ کا گریبان بھی چاک کردو مجھکو بھی یہ وضع اچھی معلوم ہوتی

ہے، حضرت عباسؑ نے اس خیال سے کہ آخر حضرت امام حسینؑ بھی کچھ دیر مین شہید ہونگے اور حضرت سکینہؑ بھی یتیم ہو جائینگی، اس لئے اِن کا گریبان بھی چاک کر دیا حضرت عباسؑ کو امام علیہ السلام سے جو عشقیہ محبت تھی اور جس کا اظہار ہر جگہ مرزا صاحب نے بھی کیا ہے اسکے لحاظ سے یہ امر نہایت خلاف عقل اور خلاف عادت ہے کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو قبل از وقت شہید فرض کر لین اور اس بنا بران کے بچہ کو یتیم فرض کر کے اس کا گریبان چاک کر دین۔

مثال ۳۔

یہ کہتی تھی کہ آئی قرین بنت مرتضےٰ	تسلیم کر کے بانوؑ نے سر کو جھکا لیا
زینبؑ پکاری بیٹھو ادب میرا ہو چکا	جسکی نہ بات پوچھیئے تعظیم اُس کی کیا

سب جانتے ہین بنت جناب امیرؑ ہون
گھر مین تمھارے رہتی ہون اس سے حقیر ہون

حضرت زینبؑ کو اس بات کی شکایت ہے کہ علی اکبرؑ کو شہربانوؑ نے میری بغیر اطلاع کے لڑائی مین جانے کی کیون اجازت دی۔ اس بنا پر وہ حضرت شہربانوؑ سے کہتی ہین کہ جب میری بات نہین پوچھی جاتی تو تعظیم سے کیا فائدہ۔

لیکن اس مقصد کے اظہار کے لئے مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ کسقدر سفیہانہ اور عامیانہ ہے، یہ خیال کہ چونکہ مین اپنا گھر چھوڑ کر تمھارے گھر رہتی ہون اسلئے تم لوگ مجھکو حقیر سمجھتے ہو، نہایت پست اور مبتذل خیال ہے، جو ہرگز حضرت زینبؑ کی متانت اور وقار کے شایان نہین۔

مثال ۴۔

محبوب ہون خدائے ذوی الاحترام کا	نانا ہون مین حسین علیہ السلام کا

یہ شعر جناب رسول خدا کی زبان سے ادا کیا ہے، لیکن مرزا صاحب کو یہ خیال نہین رہا کہ کیا آنحضرت بھی امام حسین علیہ السلام کا نام علیہ السلام کہہ کر لیتے تھے، ؎

مثال ۵ -

یہ بات سن کے بنتِ نبی نے گھونگھٹ الٹ لیا — عباسؑ کو، حسینؑ کو، اکبرؑ کو، دی صدا
صدقہ مین تم پہ یان سے سرک جاؤ اک ذرا — تم سب کے آگے روتے ہوئے آئیگی حیا

ماتم کا ہے ہجوم دلِ پاش پاش پر
جی بھر کے رو لے یہ بہنِ قاسم کی لاش پر

سرکے وہان سے اکبرؑ عباسؑ و شاہ دین — لاشہ کے گرد پھرنے لگی وہ دلھن حزین
زینبؑ سے پوچھنے یہ لگی پھر وہ مہ جبین — اب اختیار دل پہ مرے مطلقاً نہین

نوشاہ ایک رات کے جو قتل ہوتے ہین
بتلاؤ اسے پھوپھی انھین کیا کہہ کے روتے ہین

یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مرزا صاحب اور دیگر تمام مرثیہ گویون نے اہل حرم کی عادات اور مراسم ہندوستان کے شرفا کی مستورات کے مطابق فرض کئے ہین، چنانچہ عروسی، شادی، اور میت کے متعلق جس قسم کے مراسم و عادات یہان ہین وہی تمام مرثیون مین مذکور ہین - اس بنا پر حضرت کبریٰؑ کا اپنے باپ، چچا، اور بھائی سے یہ کہنا کہ تم لوگ یہان سے سرک جاؤ مین اپنے شوہر پر نوحہ کرنا چاہتی ہون کسقدر بے حجابی اور بے شرمی ہے طرہ یہ کہ یہ بھی کہتی ہین کہ تم سب کے آگے روتے ہوئے شرم آئیگی لیکن یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی - مرزا صاحب نے اسی واقعہ کو ایک اور مرثیہ مین لکھا ہے اور وہان تو حد کردی ہے فرماتے ہین ؎

ناگاہ شہ نے لاش اٹھائی بصد بکا — کبریٰؑ نے ہات باندھ کے تب شاہ سے کہا

ہم کچھ کہیں جو مانیے اے شاہ کربلا	احسان ہوگا لاش کو رکھ دیجیے ذرا

بالیں پہ پیٹیں سر پہ ذرا خاک ڈال لیں
ہم بھی کچھ اپنے دل کی تمنا نکال لیں

میر انیس نے اسی واقعہ کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ؎

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر	اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی یوں ہمیں اس کی نہ تھی خبر	اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہا کو اک نظر

زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی، چچا کا پسر بھی ہے

اس بلاغت کو دیکھو کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کا بھی یہ کہنا کہ اب شرم کیا ہے، دولہ کو دیکھ لے، ایک گونہ رسمی حیا کے خلاف تھا اس لیئے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا کیے کہ وہ برائے نام دولہا ہے، ورنہ چچا کا بیٹا اور بھائی ہے ؎

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے باچشم اشکبار	پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوؑ ے دلفگار
چادر سپید اوڑھا کے دلھن کو بحال زار	گودی میں لائی زینبؑ غمگین و سوگوار

چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر
قاسمؑ بنے اُٹھو دلھن آئی ہے لاش پر

ہے ہے بنے قاسمؑ کا ہوا شور حیدر پر	بانو نے کہا لٹ گئی لوگو میری دختر
فرزند کے لاشہ سے لپٹنے لگی مادر	سر پیٹتی دوڑی شہ مظلوم کی خواہر

پھر کون ہے ہے بنت علیؑ جب نکل آئے
خیمہ میں دولھن رہ گئی اور سب نکل آئے

مثال ۶۔

کہا سجادؑ سے اکبرؑ نے یہ اس دم رو رو	بھائی صاحب میرے دولہ کو ابھی دفن کرو
تا سجاد ورمین نہون کھول کے اپنے سر کو	کہا اکبرؑ سے یہ سجادؑ حزین نے کہ چلو

ٹکڑے لاشون کے ہم با دل غمناک کرین
قاسمؑ ابن حسنؑ کو بھی تہ خاک کرین

ایک رات کی بیاہی ہوئی عورت کا، اپنے بھائی سے یہ کہنا کہ میرے دولہ کو بھی دفن کرو، کسقدر خلاف عادت ہے۔

مثال ے۔ حضرت سکینہؑ کو قیدخانہ مین غش آگیا ہے، ان کی ماں حضرت شہربانوؑ کو خیال ہوا کہ مرگئین، انھون نے نوحہ شروع کیا۔ حضرت زینبؑ ان کو سمجھاتی ہین۔ اس واقعہ کو مرزا صاحب اس طرح ادا کرتے ہین ؎

زینبؑ نے رو کے بانوؑ سے مغموم سے کہا	بے آس ہو نہ بھابھی یہ غش مین ہے مہ لقا
اور مرگئی تو خیر جو اللہ کی رضا	اب اسکے رفع غش کی یہ اسوقت ہے دوا

سہتے عاشق حسینؑ یہ پیاری حسینؑ کی
اب غل کرو کہ آئی سواری حسینؑ کی

تسکین اور تسلی دینے مین یہ کہنا کہ "خیر مرگئی تو کیا کروگی، جو اللہ کی رضا" کسقدر ناموزون ہے اور خلاف آدمیت ہے۔

یہان ہم نے اجمالاً صرف چند مثالین لکھدین اسکے بعد متحد المضمون مرثیون کا جو عنوان ہے اس سے تفصیلاً معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب بلاغت کی راہون سے کس قدر ناآشنا ہین۔

میر انیس اور مرزا دبیر کے متحد المضمون مرثیے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ کا صحیح تر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ دونوں صاحبوں کے ہم مضمون مرثیوں کا مقابلہ کیا جائے، چونکہ مرثیہ کا موضوع صرف چند معین واقعات ہیں اسلیئے اگرچہ دونوں صاحبوں کا انداز شاعری بالکل الگ الگ ہے، تاہم واقعات و مضامین مین ہر جگہ اشتراک پیدا ہو جاتا ہے، اسکے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ دونوں حریفوں نے اکثر مرثیے اور بند، اور متفرق اشعار ایک دوسرے کے مقابلہ مین لکھے ہین، یہان تک کہ بعض بعض بندون مین مضمون، ردیف، اور قافیے تک مشترک ہین، افسوس ہے کہ ان موقعون پر یہ پتہ نہ چل سکا کہ ابتدا کس نے کی اور جواب کس نے لکھا، تاہم بعض بعض قرائن سے (جیسا کہ ہم دیباچہ مین لکھ آئے ہین) ثابت ہوتا ہے کہ مرزا دبیر صاحب زیادہ تر مقابلہ کا قصد کرتے تھے، مثلاً ایک مرثیہ مین میر انیس نے فخریہ کے ساتھ زمانہ کی ناقدری کی شکایت کی تھی، اس کے ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

عالم ہے مکدر، کوئی دل صاف نہین ہے		اس عہد مین سب کچھ ہے پر انصاف نہین ہے

اسی بحر مین مرزا صاحب کا بھی مرثیہ ہے، اس مین بھی فخریہ ہے اور ایک بند کی ٹیپ یہ ہے ؎

دل صاف ہو کس طرح کہ انصاف نہین ہے		انصاف ہو کس طرح کہ دل صاف نہین ہے

دونوں شعرون کو دیکھ کر، ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس نے کس کا جواب لکھا ہے۔

میر انیس اکثر شعرون مین مرزا دبیر پر سرقہ اور خوشہ چینی کی چوٹ کرتے ہین مثلاً ؎

لگا رہا ہون مضامین نو کے پھر انبار		خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینون کو

ع پیاسو! یہ سبیل ہے نذر حسین ع کی ؎

ممکن نہیں دزدان معانی سے نجات	سچ ہے کہ کس سے کب شکر بچتی ہے
بھلا گرد دیباچے اس میں کیا حاصل	اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو

ع مضمون انیس کا نہ چرا ہو اترا

لیکن مرزا دبیر نے میر انیس پر کہیں سرقہ کی تعریض نہیں کی ہے بلکہ صرف اپنی برات ظاہر کی ہے مثلاً ؎

واللہ بری ہوں سرقہ مضمون غیر سے	ہے استفادہ مجھکو احادیث و سیر سے
شکر خدا کہ سرقہ کی حد سے بعید ہوں	ہر مرثیہ میں موجد طرز جدید ہوں

بہر حال کم سے کم ہمکو یہ فرض کر کے کہ دونوں میں سے کوئی سرقہ کا مجرم نہیں، صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کو کس نے خوبی سے ادا کیا ہے، چنانچہ ہم دونوں کے متحد المضمون مرثیے اور اشعار ذیل میں درج کرتے ہیں۔

پردہ کا اہتمام

انیس

بیت الشرف خاص سے نکلے شہ ابرار	روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترت اطہار
فراشوں کو عباس پکارے یہ بہ تکرار	پردہ کی قناتوں سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہیں رسول دوسرا کے
تسمہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اتر جائے	آتا ہو ادھر جو وہ اسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے	دیتے رہو آواز جھانک کہ نظر جائے

مریم سے سوا حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک نے آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

[حاشیہ:] ...ان سے فخر کی ادا سے + عرض ہر ایک ازل کو توفیق بیان کر دیا

دبیر

دربان عصا اٹھا کے بڑھے جانب یسار
دہنی طرف نقیب گئے باندھ کر قطار
آ آ کے در پہ لونڈیاں چلائیں ایک بار
آئے ادھر نہ اب کوئی جائے نہ ہوشیار

آواز غیر سن کے وہ اندیشہ کرتی ہے
آہستہ بولو دختر زہرا اترتی ہے

عفت کے جتنے مرتبے خیر النساء نے پائے
وہ ماں کے بعد دختر مشکل کشا نے پائے
ہاں ہاں مسافرو نہ کوئی غل مچانے پائے
ناقہ پہ بیٹھ کر نہ ادھر کوئی آنے پائے

حسن ادب یہی ہے کہ حق کو پسند ہو
وہ بیٹھ جائے جس کا کہ قامت بلند ہو

دونوں بزرگوں نے عورتوں کے پردہ کے اہتمام کا سمان باندھا ہے، لیکن میر صاحب نے اس مضمون کو اس فصاحت و بلاغت سے ادا کیا ہے اور اس طرح واقعہ کی تصویر کھینچدی ہے کہ اسکے سامنے مرزا صاحب کے اشعار کا پیش کرنا بھی، میر صاحب کی ناقدردانی ہے، روانی، شستگی، خوبی محاورہ چستی بندش کے علاوہ بلاغت کے نکتوں پر لحاظ کرو، میر صاحب نے پردہ کے اہتمام اور لوگوں کے ہٹانے اور روکنے کو حضرت عباس ؑ کی طرف منسوب کیا ہے جس سے حضرت زینب ؑ کی عظمت وشان کے اظہار کے علاوہ اصلی واقعہ کی مطابقت ہوتی ہے، کیونکہ تمام معزز خاندانوں میں پردہ کا اہتمام خود خاندان کے ممبر کیا کرتے ہیں، بخلاف اسکے مرزا صاحب نے یہ کام بالکل دربانوں، نقیبوں اور لونڈیوں کے سپرد کیا ہے، جس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو گھر میں کوئی مرد تھا ہی نہیں یا تھا تو اسکو عورتوں کی چنداں پروا نہ تھی، پردہ کے اہتمام میں نقیبوں کا کیا کام ہے، لونڈیوں کے غل مچانے

سے ثابت ہوتا ہے کہ ادب اور شائستگی نہین پائی جاتی۔
ذیل کے یہ دونون مصرعے بالکل ہم مضمون ہین لیکن دونون مین زمین و آسمان
کا فرق ہے ؎

انیس ناقہ پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے،
دبیر ناقہ پہ بیٹھکر نہ ادھر کوئی آنے پائے۔

صغریٰ کی آزردگی

دبیر

صغرا نے کہا صاحبو کیا کرتے ہو گفتار	اک بات پکڑ لی کہ یہ بیمار ہے بیمار
شاید کہ سفر ہی مین شفا دے مجھے غفار	یان کون خبر لے گا مری یہ در و دیوار

اتنی بھی تو طاقت نہین جو اٹھ کے کھڑی ہون
اے لوگو! مین کیا آپ سے بیمار پڑی ہون

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، تمام اہل حرم کو ساتھ لئے جاتے ہین لیکن حضرت صغرا کو بیمار ہونے کی وجہ سے چھوڑے جاتے ہین، اس پر وہ گریہ و زاری کرتی ہین حضرت امام حسینؑ اور گھر کی عورتین سمجھاتی ہین کہ تم بیمار ہو، سفر کے مصائب برداشت نہین کر سکتی ہو صغرا جواب دیتی ہین۔ اسی مضمون کو میر انیس صاحب ادا کرتے ہین ؎

کیا خلق مین لوگو کوئی ہوتا نہین بیمار	ہے کونسی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہون پہ مردہ کی طرح ہو گئی دشوار	کیون جاگتے ہین سب سمجھے ہر کونسا آزار

حیرت مین ہون باعث مجھے کھلتا نہین اسکا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہون جس کا

مرزا صاحب نے بھی عمدگی سے اس واقعہ کو ادا کیا ہے لیکن میر صاحب کے طرز بیان مین جو حسرت، رنج اور بیکسی ہے، وہ مرزا صاحب کے ہان نہین، "اک بات پکڑ لی" عامیانہ اور سوقیانہ طرز گفتگو ہے ٹیپ کے دونون مصرعون مین کوئی ربط نہین، اور یہ کہنا کہ مجھکو اُٹھنے کی بھی طاقت نہین، صغرا کی خواہش پر ناکامی کا اثر پیدا کرتا ہے، کیونکہ جب اُٹھنے کی طاقت نہین تو وہ سفر کیونکر کر سکتی ہین۔

اسی بنا پر میر انیس نے بیمار ہی واقعہ باندھا ہے، صغرا کی زبان سے یہ کہا ہے

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت	آپ کی بھی ہو شدت ہی گئی رد ز سے خفت
بستر سے مین خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہون حضرت	پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت

حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقین ہے
اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہین ہے

دیکھو حضرت صغرا کس کس طرح سے بیماری کی تخفیف اور قریب الصحۃ ہونے کو ثابت کرتی ہین۔

صغرا سے خطاب

دبیر

پردہ کو اُٹھا کر یہ کہا بانو نے رو رو	صدقے گئی فال ایسی تو منہ سے نہ نکالو
سب جیتے ہین بیکس نہ ابھی آپ کو سمجھو	شبیر ہو۔ دنیا ہو۔ ترا کنبہ ہو۔ تو ہو

کب ہم نے کہا یہ نہین صغرا ہے ہمارا
تو شوق سے دیکھو یہ برادر ہے تمھارا

پھر ہاتھون پہ صغرا کو رکھا کر کے یہ زاری	لٹکا دیے ہاتھ اُس نے ہمک کر کئی باری

ماں نے کہا گود میں یہ آتے ہیں واری
صغرا کی طرف ہات اُٹھا کر وہ پکاری

پھر جیتی ملوں یا نہ ملوں تجھ سے بلا لوں
آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لوں

صغرا کا رخصت کے وقت علی اصغر کو حسرت اور پیار سے دیکھنا نہایت دردانگیز سماں ہے، اور اکثر مرثیوں میں یہ سماں نہایت موثر طریقہ سے دکھایا جاتا ہے لیکن مرزا صاحب ایسے دردانگیز واقعہ کو بھی تاثیر کا رنگ نہ دے سکے۔ دیکھو میر صاحب اسی بات کو کس لہجہ سے ادا کرتے ہیں ؎

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
کنبہ کے لئے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
وہ کانپتی ہاتوں کو اُٹھا کر یہ پکاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سن کے تمہاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان سے گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی
جو دل میں ہے لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی
تپ ہے تمہیں چھاتی سے بھی لپٹا نہیں سکتی
رکھ لوں تمہیں ماں کو بھی سمجھا نہیں سکتی

بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو سو تمہیں طاقت گفتار نہیں ہے

اس واقعہ کا نہایت دردانگیز پہلو، صغرا کا خود اصغر سے مخاطب ہونا اور جوش محبت

ہین چھ مہینے کے بچہ سے اپنا درد دل کہنا تھا، مرزا صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون، میر صاحب نے پورا درد دل کہا اور کس موثر طریقہ سے کہا۔ مرزا صاحب کا یہ مصرع ع اصغر کی طرف ہاتھ اُٹھا کر وہ پکاری، میر صاحب کے اس مصرع کے جواب مین ہے ع وہ کانپتی ہاتھون کو اُٹھا کر یہ پکاری،

لیکن دونون مین کوئی نسبت نہین، میر صاحب کے ہان ہاتھ کے ساتھ کانپنے کی قید نے کسقدر بلاغت پیدا کر دی ہے۔ ذیل کے ان دونون مصرعون مین بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔

ع آ آمرے ننھے سے مسافر ترے واری،

ع آ چھوٹے مسافر تجھے چھاتی سے لگا لون، "چھوٹا مسافر" مرزا صاحب کا ایجاد ہے۔

اعلی وادنے کا مقابلہ

کچھ خار مغیلان گل تر ہو نہین جاتا	قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہین جاتا
ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہین جاتا	مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہین جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہین کہتے
ہر ہات کو عاقل ید بیضا نہین کہتے

میر انیس کا یہ مشہور بند ہے، مرزا صاحب نے اسکے جواب مین بڑی کوشش کی، مختلف بحرین اختیار کین، بہت سی نئی نئی تشبیہین ڈھونڈھین لیکن وہ بات پیدا نہو سکی، مرزا صاحب فرماتے ہین ؎

احکام ترے پیدا اور ہین اور اپنے امور اور	باطل کی نمود اور ہے اور حق کا ظہور اور
نمرود کی آگ اور ہے اور آتش طور اور	زنبور کا غل اور ہے، الحان زبور اور

سمجھو تو سہی تم کہ بشر کیا ہے ملک کیا
بت کیا ہے خدا کیا ہے زمین کیا ہے فلک کیا

سامان سے کوئی صاحب ایمان نہین ہوتا
پہنے جو انگوٹھی وہ سلیمانؑ نہین ہوتا
ہر اہل عصا موسی عمران نہین ہوتا
آئینہ گر اسکندر دوران نہین ہوتا

لاکھ اوج ہو پشہ کا ہما ہو نہین جاتا
بت سجدۂ کافر سے خدا ہو نہین جاتا

یہ تشبیہات کافی نہ ہوئین تو ایک اور مرثیہ مین بہت سی تشبیہین جمع کین ہین

ہر سبز پوش خضرؑ نہین عز و جاہ مین
یوسفؑ نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ مین
سر سبز حیدریؑ ہین جناب الہ مین
دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ مین

کوئی یتیم فاطمہؑ سا خوش گہر نہین
ہر اک یتیم در یتیم اسے عمر نہین

چاہے زرہ بنا کے جو داؤدؑ کا وقار
ہر بخیہ گر نہ ہو کبھی ادریسؑ نامدار
واللہ جعل ساز ہے کیا اس کا اعتبار
ہر ناخدا کو نوحؑ کہے گا نہ ہوشیار

کیا جاہلون کے عیش کا سامان ہو گیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمانؑ ہو گیا

حُر کا واقعہ حُر پہلے یزید کی طرف تھا، لیکن خدا نے ہدایت دی، اور معرکۂ جنگ شروع ہونے سے پہلے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فوج مین چلا آیا، اُس کا آنا، معافی کا خواستگار ہونا، لڑنے کی اجازت طلب کرنا، زخمی ہو کر گرنا، امام علیہ السلام کا اُسکے پاس جانا، اُس کا انتقال کرنا، یہ واقعات اکثر مرثیون مین دونون نے لکھے ہین، لیکن ایک مرثیہ مین بحر اور اکثر قافیے تک مشترک ہین، اِن دونون مرثیون کے

مقابلہ کرنے سے، دونوں حریفوں کے مدارج کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے ؎

مرزا دبیر

جھکے یہ گھوڑوں پہ غازی ہوے دونوں اسوار
اور چلے شاہ کی جانب کو بڑھا کر رہوار
پہنچے نزدیک شہ دین تو پکارا جرّار
بخشدے جرم شہنشاہِ نجفؑ کے دلدار
روے الطاف کو ہم سے نہ پھرانا آقا
نہین اس در کے سوا کوئی ٹھکانا آقا

میر انیس

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
الغیاث اے جگر و جان رسول مختارؐ
مجرم ایسا ہون کہ عصیان کے نہین جسکے شمار
عفو کر، عفو کر اے چشمۂ فیض غفار
پار دریاے خطا سے مری کشتی ہوجائے
دوزخی بھی ترے صدقے مین بہشتی ہوجائے

مرزا دبیر

واسطہ احمدؐ و زہراؑ و حسنؑ کا ای شاہ
نذر سر لایا ہون، مقبول ہواے عرش پناہ
بخش دو، عفو کرو، بندۂ عاصی کا گناہ
اور بتاؤ میرے بیٹے کو بھی فردوس کی راہ
حُر عوض آپ کے مقتول جفا ہووے گا
اور اکبرؑ پہ مرا لال فدا ہووے گا

میر انیس

کئی روزون سے تلاطم مین ہون ای شاہنشاہؑ
دست و پا گم ہین کچھ ایسے کہ نہین سوجھتی راہ
مدد اے نوح غریبان مرا بیڑا ہے تباہ
شور کرتا ہون کہ بتلائے کوئی جاے پناہ
اُبر رحمت کی طرف جا کے یہ صدا دیتے ہین
سب ترے دامن دولت کا پتہ دیتے ہین

دبیر

پیشوائی کو چلے حُر کے شہنشاہِ زمن
کانپ کر پاے مبارک پہ جھکا سر افگن
ہات کھولے پسر عقدہ کشا نے فوراً
سر اٹھا کر کیا سر ور نے یہ بھائی سے سخن

گو سر حُر پہ ہے خالق کے کرم کا سایہ
آن کر تم بھی کرو اس پہ علم کا سایہ

انیس

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
خود بڑھے ہاتھون کو پھیلا کے شہنشاہ امم
جوش مین آگیا اللہ کا دریاے کرم
حُر کو یہ ہاتف غیبی نے صدا دی اُسدم

شکر کر سبط رسول ثقلین آتے ہین
اے برادر تیرے لینے کو حسینؑ آتے ہین

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہین پیدل شبیرؑ
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر
دوڑ کر چوم لئے پاے شہ عرش سریر
مین نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

مین رضامند ہون کس واسطے مضطر ہی تو
مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

دبیر

حُر نے فرزند پیمبرؐ سے یہ اُسوقت کہا
آپ کی بندہ نوازی پہ فدا اے آقا
سایۂ دامن رایت تو ہے ظل طوبیٰ
رخ کیا جب سے ادھر کا یہ ہی الطاف خدا

مرحبا فاطمہ زہرا مجھے فرماتی ہین
سایہ چادر کا مرے سر پہ کئے آتی ہین

انیس

انیس

حُر پکارا "بابی انت و امی" یا شاہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ
قابل عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
سب ہے صدقہ انھیں قدموں کا خدا ہے آگاہ
ہر ذرہ پہ جو ہو نیر تابان ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیمان ہو جائے

دبیر

عرض کی پھر شہ والا سے بجوش رقت
عفو تقصیر ہوئی اب ہو عنایت رخصت
کرتے ہیں دشمن دین جنگ پہ اس دم سبقت
دیکھنے کی نہیں بندے میں ذرا طاقت
گر رضا پائے تو سر اپنا کٹائے فدوی
زخم شمشیر و سنان سینہ پہ کھائے فدوی

انیس

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہمان کو امامؑ
شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
بولے عباسؑ کمر کھولیے اب اے نیک انجام
عرض کی حُر نے کمر خلد میں کھولے گا غلام
فاتحہ پڑھ کے یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی امنگ
لشکر شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ
ایک ہی وار میں دونوں کو کرونگا چورنگ
شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہیں ایسا نہ ہو بچہ کوئی بیجان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

دبیر

پسر حُر کے معرف علی اکبرؑ تھے کہ واہ
دونوں تسلیم کنان صرف دعا تھے ذیجاہ
حُر کو دیتے تھے صدا شاہ کہ سبحان اللہ
مژدۂ گلشن جنت انھیں پہونچا ناگاہ
دونوں ایک مرتبہ بیزار ہوئے جینے سے
نیزۂ ظلم و ستم پار ہوئے سینے سے

انیس

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ نبی عزت و جاہ
کہتے تھے ابن حسن واہ حُر غازی واہ
بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبر شاہ
شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے سبحان اللہ
اپنی جانبازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

دبیر

اس گھڑی فاطمہؑ کے لال سے حُر نے یہ کہا
شیر حق میرے سرہانے ہیں کھڑے اے مولا
آپ کے صدقہ سے یہ رتبہ ہوا خادم کا
جام کوثر لئے کہتے ہیں بصد لطف و عطا
لے اسے پی کہ بہت تشنہ دہن ہے اے حُر
جلد آ دیکھ یہ جنت کا چمن ہے اے حُر

ان سے میں عرض یہ کرتا ہوں کہ اے شاہ زمان
صبح سے بھوکے ہیں بیہوش ہیں اصغرؑ نادان
پسر فاطمہؑ پیاسا ہے مجھے پیاس کہاں
تشنہ لب ہے کئی دن سے علی اکبرؑ سا جوان
پیاسا ہوں اس جا بھی پانی نہ پیونگا مولا
جام کوثر نہ بن آقا کے پیوں گا مولا

انیس

نیم وا چشم سے حُر نے رخِ مولا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
زیرِ سر زانوئے شبیرؑ کا تکیہ دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُر جری کیا دیکھا
عرض کی حسنِ رخ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھکو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہیں اللہ اللہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
لو برآمد ہوئے شبّرؑ بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمدِ مختار کی پیاری آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی ؎

دبیر	مر گئے عباسؑ دلاور کہا یہ سرور		روک لو تم کہ سکینہ چلی آتی ہے ادھر
	گئے عباسؑ اُدھر یان ہوا برپا محشر		حرؑ بھی فرزند بھی حرؑ کا ہوا گویا روکر

غش پہ غش تشنہ دہانی کے سبب آتے ہین
الفراق اب ہمین خلد کو ہم جاتے ہین

انیس	قبلہ دیکھئے لاشہ مرا اٹھ کر تو ادہر دین		پڑھئے لیسین کہ اب ہے یہ دم باز پسین
	کوچ نزدیک ہے اے بادشہ عرش نشین		لیجئے تن سے نکلتی ہے مری جان حزین

بات بھی اب تو زبان سے نہین کیجاتی ہے
کچھ اُڑھا دیجئے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود مین شبیرؑ کے لی انگڑائی		آیا ماتھے پہ عرق چہرہ پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمین چھوڑ چلے کیون بھائی		چل بسے حرؑ جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائر روح نے پرواز کی طوبا کی طرف
پتلیان رہ گئین پھر کر شہ والا کی طرف

میرانیس کے اشعار مین بلاغت کی جو باریکیان اور دقائق ہین، ان سے ہم اس موقع پر بحث نہین کرتے یہان صرف یہ دکھانا ہے کہ حسن بندش سے کلام مین کسقدر صفائی۔ برجستگی اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔

قیدخانہ کے واقعات — قیدخانہ کا حال اور ہند کے آنے کا واقعہ دونون نے لکھا ہے اور ایک بحر مین لکھا ہے میرانیس کا مطلع ہے مصرع جب قیدیون کو خانۂ زندان مین شب ہوئی۔ اور مرزا صاحب کا مطلع ہے مصرع جب قیدیون کو راہ مین ماہ صفر ہوا۔

میرانیس نے تفصیلی حالات نہایت مؤثر پیرایہ مین لکھے ہین۔ مرزا صاحب کے ہان صرف ۳۶ بند ہین۔ لیکن بعض مضامین مشترک ہین۔ وہ ملاحظہ ہون ؎

دبیر

راوی نے حال خانۂ زندان ہی یون لکھا
وحشت مین مثل قبر اور آفت مین کربلا
آئی جو شب اسیرون کو صدمہ بڑا ہوا
نہ فرش تھا نہ سایہ تھا۔ نہ پانی نہ غذا
شمعون کی روشنی نہ چراغون کی روشنی
بس ماتم حسینؑ کے داغون کی روشنی

انیس

کیجیے شکستگی خرابہ کا کیا بیان
ثابت نہ جس مین سقف نہ در اور نہ سائبان
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکان
وہ شب کہ الحذر وہ اندھیرا کہ الامان
ظلمت سرائے گور تھی۔ زندان کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گذر نہ تھا

دبیر

ناگاہ مشعلون کی ہوئی روشنی نمود
اور غل ہوا کہ ہند کا زندان مین ہے ورود
زینبؑ کے دل پہ صدمہ سبھون سے ہوا فزود
غیرت سے کانپنے لگی وہ خاصۂ ودود
سر زانوؤن کے بیچ مین شرما کے دھر لیا
اور بیڑیون کو خاک مین پوشیدہ کر لیا

بچّون سے پھر یہ بولی وہ آفت کی مبتلا
اب نام لیجیو نہ مرا تم پہ مین فدا
ناگاہ آئی قیدیون مین ہند باوفا
زنجیر پہنے دیکھ کے عابدؑ کو دی ندا
بیداد اہل ظلم سے یارب دہائی ہے
اس ناتوان کو آہ یہ بیڑی پنھائی ہے

انیس

نکلی محل سرا سے یہ گمکردہ ہوش ہو
کنیزین ساتھ ساتھ چند خواصین بھی نوحہ گر
پہنچی جناب حضرت زینبؑ کو یہ خبر
رنگ اڑ گیا یہ کہنے لگی سر کو پیٹ کر
اپنا نہین خیال، بزرگون کا پاس ہے
ہے ہے کہان چھپون وہ مری روشناس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ میں ہوں خواہرِ امامؑ
غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
ہم ہیں فقیر ہم میں امیروں کا کیا ہے کام
لوگو بتا نہ دیجو کہیں اس کو میرا نام

پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینبؑ کدھر گئی
کہہ دیجیو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

دبیر

زینبؑ کو بھی سکوت کا یارا نہ پھر رہا
بولے نہ ان سے پوچھ یہ زینبؑ کا ماجرا
کیا جانیے کہ بعد حسینؑ اس پہ کیا ہوا
قدموں پہ ہند گر پڑی پہچان کر صدا

رو کر کہا قسم تجھے رب قدیر کی
زینبؑ تمھیں ہو بیٹی جناب امیرؑ کی

انیس

یہ سن کے ہند رونے لگی تب اشک و آہ
پھر غور کر کے روئے حضرت زینبؑ پہ کی نگاہ
منہ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
بیساختہ کہا کہ زہے قدرتِ الٰہ

ہرگز تمھارے ظہور میں مجھ کو اشتباہ ہے
زینبؑ تمھیں ہو خالق اکبر گواہ ہے

میر انیس اور مرزا دبیر کے موازنہ میں عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہوگی، لیکن ہر کلیہ میں مستثنیٰ ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر مرزا دبیر صاحب نے جس بلاغت سے مضمون کو ادا کیا ہے میر انیس سے نہیں ہو سکا، چنانچہ ذیل کی مثال سے اسکی تصدیق ہوگی۔

حضرت علی اصغر کے لئے پانی مانگنا

واقعات کربلا میں یہ واقعہ نہایت درد انگیز ہے کہ تمام اعزہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ششماہہ بچے (علی اصغرؑ) کو دشمنوں کے سامنے لیجا کر اس بات کے ملتجی ہوئے کہ یہ بچہ پیاس سے مرتا ہے، اس کے گلے میں پانی کی ایک بوند ٹپکا دو۔ اس واقعہ کو میر ضمیر سے لیکر آج تک سینکڑوں مرثیہ گویوں نے ادا کیا ہے۔ میر انیس صاحب نے مختلف مرثیوں میں یہ واقعہ لکھا ہے، اور ہر جگہ نیا پہلو اختیار کیا ہے۔

ایک مرثیہ مین جو سب سے بہتر ہے فرماتے ہین ؎

بولے دکھا کے بچے کو شاہ فلک سریر ۔۔۔ مرتا ہے پیاس سے یہ مرا کودک صغیر
پانی ملا ہے کل سے نہ ممکن ہوا ہے شیر ۔۔۔ للہ اس غریب پہ کر رحم اے امیر
مہمان ہے کوئی آن کا ہونٹون پہ جان ہے
اس کا قصور کیا ہے کہ یہ بے زبان ہے

برپا ہے اہل بیت محمدؐ مین شور و شین ۔۔۔ در پہ پھوپھی بلکتی ہے مان کر رہی ہے بین
آنکھین پھرائے دیتا ہے اب تو یہ نور عین ۔۔۔ لایا ہے اس عطش مین ترے پاس اب حسینؑ
تجھکو قسم ہے روح رسالت مآبؐ کی
ٹپکا دے اس کے حلق مین اک بوند آب کی

لیکن مرزا دبیر صاحب نے اس واقعہ کے بیان مین جو بلاغت صرف کی ہے اور جو درد انگیز سمان دکھایا ہے کسی سے آج تک نہ ہو سکا، فرماتے ہین ؎

دبیر
ہر اک قدم پہ سوچتے تھے سبط مصطفیٰؐ ۔۔۔ لے تو چلا ہون فوج عمر سے کہون گا کیا
نہ مانگنا ہی آتا ہے مجھکو نہ التجا ۔۔۔ منت بھی گر کرونگا تو کیا دینگے وہ بھلا
پانی کے واسطے نہ سنینگے عدو مری
پیاسے کی جان جائے گی اور آبرو مری

پہونچے قریب فوج تو گھبرا کے رہ گئے ۔۔۔ چاہا کہ کرین سوال پہ شرما کے رہ گئے
غیرت سے رنگ فق ہوا تھرا کے رہ گئے ۔۔۔ چادر پسر کے چہرہ سے سرکا کے رہ گئے
آنکھین جھکا کے بولے کہ یہ ہمکو لائے ہین
اصغرؑ تمھارے پاس غرض لے کے آئے ہین

گر ہین بقول عمر و ستمگر ہون گنا ہگار ۔۔۔ یہ تو نہین کسی کے بھی آگے تصوروار

شش ماہہ بے زبان، نبی زادہ، شیر خوار
ہفتم ہے سب کے ساتھ یہ پیاسا ہی بیقرار

سن ہے جو کم تو پیاس کا صدمہ زیادہ ہے
مظلوم خود ہے اور یہ مظلوم زادہ ہے

یہ کون بے زبان ہے تمھیں کچھ خیال ہے
در نجف ہے بانوئے بیکس کا لال ہے
لو مان لو تمھیں قسم ذوالجلال ہے
یثرب کے شاہزادے کا پہلا سوال ہے

پوتا علیؑ کا تم سے طلبگار آب ہے
دیدو کہ اسمین ماموری ہے ثواب ہے

پھر ہونٹ بے زبان کے چومے جھکا کے سر
روکر کہا جو کہنا تھا وہ کہہ چکا پدر
باقی رہی نہ بات کوئی اے مرے پسر
سوکھی زبان تم بھی دکھادو نکال کر

پھیری زبان لبوں پہ جو اُس نورِ عین نے
تھرا کے آسمان کو دیکھا حسینؑ نے

اسلوب بیان کی بلاغت کو دیکھو امام علیہ السلام صغرؑ کو لیکر پانی مانگنے کو نکلے تو سہی لیکن غیرت کے اقتضاء سے ہر قدم پہ ٹھہر جاتے ہیں کہ سوال کیونکر کروں، اور کروں بھی تو نتیجہ کیا ہوگا، پھر فوج کے قریب پہونچکر سوال کرتے ہوئے شرمانا، تھرا کے رہ جانا، اور سب سے بڑھکر بچہ کے چہرہ سے چادر سرکا کے رہ جانا، کسقدر قیامت انگیز سماں ہے، پھر سوال بھی کرتے ہیں تو علی اصغرؑ پر رکھکر ع اصغرؑ تمھارے پاس غرض لیکے آئے ہیں، واجب الرحم ہونے کی وجہیں کسقدر لاجواب ہیں، اور سب ایک ہی مصرع میں ادا ہوگئی ہیں یعنی شش ماہہ ہے بے زبان ہے نبی زادہ ہے شیر خوار ہے، ان سب پر قیامت یہ کہ جب سب کچھ کہہ چکے تو بچہ کی زبان حال سے بھی کہلوایا اور بچہ نے کہہ بھی دیا کیونکہ بچہ پیاس کی شدت سے لبوں پر زبان پھیرا کرتا تھا، اب بھی اُس نے ایسا ہی کیا تو یہ زبان حال سے کہنا تھا ۔

متحد المضمون اشعار اس قسم کے اشعار بعض تو بالکل ہم مضمون ہیں، بعض اس قسم کے ہیں کہ ایک نے ایک خیال کو ادا کیا تھا، دوسرے نے اسکو ترقی دینا چاہا، بعض ایسے ہیں کہ صرف اصل واقعہ مشترک ہے اور دونون کی طرز ادا الگ الگ ہے، چنانچہ ہم ہر قسم کی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں ۔

دبیر	مثل تنور گرم تھا پانی میں ہر حباب		ہوتی تھیں سیخ موج پہ مرغابیان کباب
انیس	پانی تھا آگ گرمیِ روز حساب تھی		ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

یہ مضمون دونون کے ہان مشترک ہے کہ گرمی کی شدت یہ تھی کہ موج سیخ بن گئی تھی اور جب کوئی جانور اُس کے پاس جاتا تھا تو جل کر کباب ہو جاتا تھا، بندش اور الفاظ کی نشست مین جو فرق ہو وہ خود ظاہر ہو لیکن معنوی حیثیت سے بھی میر انیس کا شعر بڑھا ہوا ہے۔

میر انیس صاحب کے ہان گرمی کا مبالغہ جو شعر کی جان ہے، زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی یہ کہ مچھلی سیخ موج تک آنے کے ساتھ فوراً کباب ہو جاتی تھی، مرزا صاحب کے ہان یہ بات نہیں پائی جاتی وہ کہتے ہین کہ موج کی سیخ پر مرغابیون کا کباب لگایا جاتا تھا، اس سے فوراً کباب ہو جانے کا خیال نہین پیدا ہوتا ہے ۔

دبیر	چاہوں تو چھید دے اک انگلی سے زمین		گردوں کی ڈھال چیر کے رکھدوں زمین پر
انیس	طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی		رکھدوں زمین پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

مرزا صاحب کے شعر کا پہلا مصرع نہایت بد ترکیب ہے، اس کے علاوہ ایک انگلی سے چیرنا نہین ہوتا بلکہ کھونچا دینا ہوتا ہے۔ ڈھال کی تشبیہ آفتاب سے بہ نسبت آسمان کے زیادہ موزوں ہے ۔

دبیر	دہشت سے جوان ہٹ گئے تھے تیر کی مانند		تھا نیزوں کو رعشہ قدم پیر کے مانند

انیس۔ چلّے [illegible] کے چپتے تھے مثل پائے پیر

میر صاحب کا مصرع زیادہ فصیح اور صاف ہے، ان الفاظ سے "کانپتے تھے" جو تصویر
خیال مین کھنچ جاتی ہے وہ رعشہ کے لفظ سے پیدا نہین ہوتی، سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک چلنے
کی قید نہ مذکور ہو، پوری تشبیہ نہین ہوتی۔ کیونکہ بوڑھے آدمی کے پانون چلنے ہی کی حالت مین
کانپتے ہین، اس کے ساتھ چونکہ چلنے کا اطلاق پانون اور نیزہ دونون پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ
اس موقع پر نہایت موزون ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نیزہ چلانے کی حالت مین
نیزہ کو لچک ہوتی ہے اس لیئے اسکو کانپنے سے تعبیر کر سکتے ہین اور اس لحاظ سے یہ کہنا کہ نیزہ
چلنے کی حالت مین خوف سے کانپتا تھا نہایت لطیف حسن التعلیل ہے، بخلاف اسکے مرزا صاحب
نے چونکہ نیزہ کی جنبش اور حرکت کا ذکر نہین کیا۔ اس لیئے رعشہ کا کوئی ثبوت نہین ہوتا۔

دبیر   چلائے ہات مل کے جلاجل کہ الامان۔

انیس   ہوگیا جوڑ کے ہاتون کو جلاجل خاموش۔

جلاجل کے دونون حصے جو بجانے مین مل جاتے ہین اسکی تعبیر دونون بزرگون نے
دو طرح پر کی ہے، مرزا صاحب کہتے ہین کہ جلاجل چلا کر الامان کہتا تھا اور ہاتھ ملتا تھا لیکن چلانے
کو ہاتھ ملنے سے کوئی تعلق نہین، اس لئے گو تشبیہ صحیح ہے لیکن ہات ملنے کی کوئی توجیہ نہین ہوسکتی،
میر صاحب کہتے ہین کہ حضرت امام حسینؑ کا رعب اسقدر غالب ہوا کہ جلاجل ہات جوڑ کے چپ
ہوگیا، رعب اور خوف کی حالت مین ہات جوڑنا اکثر ہوتا ہے، اور چونکہ جلاجل کے دونون حصے
جب مل جاتے ہین تو پھر جب تک جدا نہ ہون، آواز نہین دے سکتے، اس لئے یہ کہنا بالکل
صحیح ہے کہ وہ ہات جوڑ کر چپ ہوگیا۔

دبیر	یون جسم رعشہ دار سے جانین ہوئین روان	جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان
انیس	یون روح کے طائر تن سر چھوڑ کے بھاگے	جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

اصل مضمون یہ ہے کہ روحین جسم سے اس طرح بھاگ گئین جس طرح بھونچال مین کوئی گھر

چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، لیکن بندش کی صفائی اور برجستگی نے میر انیس صاحب کے مضمون
کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا ہے، اس کے علاوہ، صاحب مکان کی تخصیص بالکل بیکار ہے،
زلزلہ جب آتا ہے تو صاحب مکان کی کوئی تخصیص نہین، ہر شخص مکان چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے،
جسم رعشہ دار کی ترکیب نامانوس ہے اور اس قید سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ صرف ان لوگون کی
روحین نکلین جنکے جسم رعشہ دار تھے میر صاحب کا پہلا مصرع بھی کچھ اچھا نہین، سر کا لفظ
بالکل حشو بلکہ موقع کے لحاظ سے غلط ہے، روح سر مین نہین رہتی اور نہ سر سے اسکو کوئی خصوصیت ہے ؎

دبیر	وہ رخش پہ یا دیو تھا اسوار پری پر		غل رن مین اُٹھا کوہ چڑھا کبک دری پر

کسقدر بیہودہ تشبیہ ہے، دشمن کو کوہ اور گھوڑے کو کبک دری کہنا مضائقہ نہین لیکن کوہ کا
کبک دری پر چڑھنا کسقدر مہمل ہے، میر انیس صاحب نے بھی یہی مضمون یعنی دشمن کا گھوڑے پر
سوار ہونا متعدد موقعون پر باندھا ہے اور کس خوبی سے باندھا ہے -

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا -

ع گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پہ پہاڑ تھا -

دبیر	رن مین جو گھرا ابر غلیظ اہل سقر کا		بجلی سا کڑکنے لگا کڑکیت عمر کا
ایضاً	گرد عباس کے کثرت تھی ستمگارونکی		مینھ تو تیرون کا تھا اور برق تھی تلوارونکی

پہلے شعر کا مطلب ہے کہ دشمن جو اہل سقر تھے اُنکے صفون کا دل ابر غلیظ تھا، اور اس ابر مین کڑکیت کا
کڑکنا بجلی کا کام دیتا تھا، دوسرے شعر کا مطلب ظاہر ہے، اسی مضمون کو میر انیس صاحب نے باندھا ہے ؎

اک گھٹا چھا گئی ڈھالون سے ستمگارون کی		برق ہر صف مین چمکنے لگی تلوارون کی	

مرزا صاحب کا پہلا شعر تو بالکل بھدا اور بد ترکیب ہے، دوسرا ذرا صاف ہے، لیکن
میر انیس صاحب کے شعر سے اسکو بھی کچھ نسبت نہین ہے، صفائی اور برجستگی کے علاوہ "چمکنے لگی" کے
جملہ فعلیہ نے جو حالت پیدا کی وہ "برق" تھی سے کہان پیدا ہو سکتی ہے ؎

انیس	عالم ہی مکدر کوئی دل صاف نہین ہی		اس عہد مین سب کچھ ہی پر انصاف نہین ہے
دبیر	دل صاف ہو کسطرح کہ انصاف نہین ہی		انصاف ہو کس طرح کہ دل صاف نہین ہے

انصاف سے دیکھو مرزا صاحب نے میر صاحب ہی کے لفظون کو الٹ پلٹ کیا ہے لیکن کس بری طرح سے کہ محض لفظی گورکھ دھندا رہ گیا ہے -

دبیر کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین -

انیس سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین -

دونون مصرعون کی شستگی برجستگی اور صفائی مین جو فرق ہے، وہ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے ۵

دبیر	کس آب و تاب سے یہ سر فوج پر گئی		پانی کا گھونٹ بن کے گلے سے اُتر گئی
انیس	سب نشۂ غرور جوانی اُتر گیا		تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

ان دونون شعرون کا فرق بھی ظاہر ہے -

دبیر	یون متصل رسن سے بندھے تھے وہ دلفگار		رشتہ مین جیسے دانۂ تسبیح آب دار

اہل حرم جو ایک ہی رسی مین قید کئے گئے ان کو تسبیح کے دانہ اور رشتۂ تسبیح سے تشبیہ دی ہی اور یہ تشبیہ بجائے خود بری نہین، لیکن میر صاحب کی تشبیہ دیکھو ۵

گردن مین بارہ اسیرون کی ہین اور ایک رسن		جس طرح رشتۂ گلدستہ مین گلہائے چمن

تشبیہ کی لطافت اور نزاکت کے علاوہ، اصل تشبیہ مین کسقدر فرق ہے تسبیح کے دانے رشتہ مین بندھے نہین ہوتے بلکہ پروئے ہوتے ہین، بخلاف اسکے گلدستہ مین پھول رشتہ سے بندھے ہوتے ہین، بندش کی صفائی کا جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اسکے علاوہ مرزا صاحب کے ہان آبدار کا لفظ محض فضول اور بیکار ہے، ۵

دبیر	بیجرم معرکہ مین وہ خار انسگان تھی		لشکر کا خون کیا تھا مگر پاک صاف تھی

مرزا صاحب نے اس مضمون کو نہایت خوبی اور صفائی سے ادا کیا ہی میر انیس صاحب نے اس مضمون کو کئی کئی طرح سے پلٹا، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ بات نصیب نہ ہوئی، میر صاحب کہتے ہین۔

انیس ان سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا۔

" جو چاہے دیکھ لے مرا منہ پاک صاف ہی ۔ ۵

"	دم مین نہ وہ غرور نہ وہ خودسری رہی		مجرم وہی رہا یہ خطا سے بری رہی
مرزا دبیر	ورکش خدا کی فوج سے چھوٹے بڑے ہوے		سجادہ سے امام زمن اٹھ کھڑے ہوے
میر انیس	طیار جان دینے پہ چھوٹے بڑے ہوے		تلوارین ٹیک ٹیک کے سب اٹھ کھڑے ہوے
دبیر	روشن پدر کا زور ہے دنیا و دین پر		ششدر رہے جبرئیل کٹے جبکہ تین پر
انیس	خیبر مین کیا گذر گئی روح الامین پر		کاٹے ہین کسکی تیغ دو پیکر نے تین پر

دبیر بندھتی تھی اور کھلتی تھی مٹھی حباب کی۔

انیس کھلتی تھین اور جھپکتی تھین آنکھین حباب کی۔